سورۂ حجرات کے ٦٠ ساٹھ فوائد

مقام نبوت — مقام صحابہؓ — مقام انسانیت

مقام اخوت — ایمان اور اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مکتبۃ النور دیوبند

سورۂ حجرات کے ۶۰ ساٹھ فوائد

مقام نبوت — مقام صحابہؓ — مقام انسانیت

مقام اخوت — ایمان اور اسلام

افادات

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب

فقیر ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی

ترمیم وتحشیہ

بدر الاسلام قاسمی

استاذ جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

ناشر

مکتبۃ النور دیوبند

حقوق محفوظ ہیں

تفصیلات

نام کتاب : سورۂ حجرات کے ۶۰/فوائد
افادات : حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہٗ
ترتیب : فقیر ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی
ترمیم وتحشیہ : بدر الاسلام قاسمی
صفحات : ۲۰۰
اشاعت : صفر ۱۴۴۳ھ - ستمبر ۲۰۲۱ء
تعداد : ۶۰۰
باہتمام : شاہ عالم قاسمی، ندیم اقبال قاسمی

درسی وغیر درسی کتابوں کے لیے رابطہ کریں

مکتبۃ النور دیوبند

9456422412, 9045909066 Maktaba_Noor
Maktaba Al-Noor Deoband
m.noordbd@gmail.com

فہرست

عنوان	صفحہ
عرضِ ناشر (مکتبۃ النور)	۱۱
عرضِ مرتب	۱۳
عرضِ ناشر	۱۵
پیش لفظ	۱۷
تعارف سورۂ حجرات	۲۰
مقامِ نزول	۲۲
امہات المومنین کے حجرات کی ساخت	۲۳
"الحجرات" کی وجہ تسمیہ	۲۴
سورتوں کے درمیان ربط کی ضرورت	۲۴
ربط سورۂ حجرات	۲۵
آیات کا ایک اجمالی خاکہ	۲۶
استفادہ از کتب تفاسیر	۲۷
مقامِ نبوت	۲۹
فائدہ (۱) اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر انتہائی شفیق ہیں	۳۰
اللہ تعالیٰ سے تقدم کی ممانعت	۳۱
نبی ﷺ سے تقدم کی ممانعت	۳۱
فائدہ (۲) نبی ﷺ ہماری پوری زندگی کے امام ہیں	۳۲
ہر حال میں اتباع شریعت کا حکم	۳۲
شریعت رسوم ورواج پر مقدم ہے	۳۳
نص قیاس پر مقدم ہے	۳۳

سنت، بدعت پر مقدم ہے	۳۴
فائدہ (۳) جو ملتا ہے خدا سے ملتا ہے، مگر خدا ملتا ہے محمد مصطفیٰ سے	۳۴
اتباعِ سنت کی اہمیت	۳۵
امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی اتباعِ سنت میں احتیاط	۳۶
فائدہ (۴) علماء کے آگے بھی تقدم جائز نہیں	۳۷
فائدہ (۵) مرید اپنے شیخ کے سامنے تقدم نہ کرے	۳۸
فائدہ (۶) اپنی رائے کو شرع پر مقدم نہ کریں	۳۹
صحابۂ کرامؓ کی تربیت اور تادیب	۴۰
مثال (۱)	۴۰
مثال (۲)	۴۲
مثال (۳)	۴۲
مثال (۴)	۴۷
فائدہ (۷) تقدم کے معاملے میں اللہ سے ڈرنا چاہیے	۴۷
سبقت کرنے والے کو اللہ خوب جانتے ہیں	۴۸
فائدہ (۸) بارگاہِ نبوت میں آواز بلند کرنا منع ہے	۴۹
آواز کی برابری بھی منع ہے	۴۹
صحابہ کرامؓ کی پریشانی	۵۰
فائدہ (۹) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نام سے پکارنے کی بھی اجازت نہیں	۵۱
فائدہ (۱۰) "لَا تَرْفَعُوْا" کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی باقی ہے	۵۲
حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ	۵۲
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض اعمال میں امتیوں سے مختلف ہونا	۵۴
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات امتیوں سے مختلف	۵۵
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیتِ وفات پر حضرت نانوتویؒ کی وضاحت	۵۶
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات پر صحابہؓ کی کیفیت	۵۷
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ مختلف	۵۸
اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ	۵۹

فائدہ (۱۱) با خدا دیوانہ باشد با محمد ہوشیار	۶۰
مواجہہ شریف پر امام اعظم ابو حنیفہؒ کی احتیاط	۶۰
مسجد نبوی ﷺ میں صحابہ کرامؓ کی احتیاط	۶۱
فائدہ (۱۲) محافل نعت میں نبی ﷺ کو پکارنا جائز نہیں	۶۱
فائدہ (۱۳) حدیث رسول ﷺ کی مجلس میں بھی آواز بلند نہ ہو	۶۲
فائدہ (۱۴) نبی ﷺ کی بے ادبی پر اعمال ضائع ہو جاتے ہیں	۶۳
اعمال ضائع کیوں ہوتے ہیں؟	۶۳
اللہ تعالیٰ کے جلال کے تین مقامات	۶۴
۱- سود خوروں پر اللہ کا جلال	۶۴
۲- مسلمان کے قاتل پر اللہ کا جلال	۶۴
۳- نبی ﷺ کی بے ادبی پر اللہ کا جلال	۶۶
محبوب کا رنج برداشت نہیں	۶۶
فائدہ (۱۵) نبی ﷺ کے ادب میں بہت محتاط رہیں	۶۷
نبی ﷺ کے سامنے آواز پست رکھنے کا ادب	۶۸
فائدہ (۱۶) جب دل میں ادب ہو تو آواز پست نکلتی ہے	۶۸
آواز پست رکھنا دل کے تقویٰ کی علامت ہے	۶۹
فائدہ (۱۷) نبی ﷺ کی تعظیم پر اجر بھی عظیم ملتا ہے	۶۹
آیت کا سبب نزول	۷۰
فائدہ (۱۸) نبی ﷺ کو پکار کر بلانا بڑی بے عقلی ہے	۷۱
فائدہ (۱۹) انسان کو چاہیے کہ ہمیشہ نپی تلی بات کرے	۷۱
فائدہ (۲۰) علماء و مشائخ سے ملاقات کا ادب یہ ہے کہ ان کا انتظار کیا جائے	۷۲
اعلان مغفرت	۷۳
خلاصۂ آیات	۷۳
مقام صحابہ	۷۵
آیت کا پس منظر	۷۶
فائدہ (۲۱) کوئی بڑی خبر ملے تو اس کی تحقیق کرنی چاہیے	۸۰

حقیقت تلاش کرو ۸۱
فائدہ (۲۲) "خبر" کی تحقیق میں محدثین نے "اسماء الرجال" کا فن ایجاد کیا ۸۱
محدثین کی روایت حدیث میں احتیاط ۸۱
مجہول الاسم سے روایت میں احتیاط ۸۲
مجہول الحال سے روایت میں احتیاط ۸۲
ضعیف حدیث اور موضوع حدیث کا فرق ۸۴
فضائل میں ضعیف حدیث کو قبول کیا جاتا ہے ۸۵
فائدہ (۲۳) بلا تحقیق (سنی سنائی) بات فساد کا سبب بنتی ہے ۸۵
بے موقع سچ بھی فساد کا سبب بنتا ہے ۸۶
فائدہ (۲۴) سالکین کو بات کرنے میں احتیاط کی ضرورت ہے ۸۷
فائدہ (۲۵) "فاسق" کا لفظ صحابی کے لیے استعمال نہیں ہوا ۸۸
فائدہ (۲۶) چار آیات زندگی کے مسائل کو حل کرتی ہیں ۹۰
جھوٹی خبر سے گمراہ کرنے کی ایک مثال ۹۱
ایک مخالف کی بلا جواز مخالفت ۹۲
میرے دو وزیر ۹۳
"فَتَبَيَّنُوْا" کے ضمن میں منفی پراپیگنڈہ کی وضاحت ۹۴
کتے سے بدتر مرید ۹۵
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو پہچانو ۹۵
فائدہ (۲۷) آسانی اور کامیابی اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے ۹۶
فائدہ (۲۸) صحابہؓ کے رشد و ہدایت کی گواہی اللہ نے دی ہے ۹۶
صحابہ کرامؓ پر اللہ کا خاص فضل ۹۷
فائدہ (۲۹) صحابہؓ پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا ۹۸
شاگردوں کی تین عجیب جماعتیں! ۹۹
فائدہ (۳۰) صحابہ کرامؓ ایمان کا معیار تھے ۱۰۰
صحابہ کرامؓ پر ایک اعتراض کا جواب ۱۰۱
فائدہ (۳۱) اگر دو جماعتوں میں جھگڑا ہو جائے تو ان کی صلح کروادو ۱۰۳

مومنین کی دو عظیم جماعتیں	۱۰۳
سرکش کے لیے حکم	۱۰۵
فائدہ (۳۲) صلح کروانے میں انصاف سے کام لینا چاہیے	۱۰۵
تین الفاظ اختلافات کو حل کرتے ہیں	۱۰۶
فائدہ (۳۳) صحابہ کو تاریخ کے آئینے میں نہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں دیکھیں!	۱۰۶
فائدہ (۳۴) غلطی کی نشاندہی اصلاح کی نیت سے ہونی چاہیے	۱۰۷
جنگِ جمل کے حالات وواقعات	۱۰۸
لفظ مشاجرات کا مفہوم	۱۱۱
خلاصۂ آیات	۱۱۱
مقامِ اخوت	۱۱۳
فائدہ (۳۵) سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں	۱۱۴
مومن کی حرمت کعبہ سے بھی زیادہ	۱۱۵
دل میں کینہ رکھنے کا وبال	۱۱۵
کینہ پیدا ہونے کی دو بنیادی وجوہات	۱۱۶
تمسخر کی ممانعت	۱۱۷
شریعت میں مزاح منع نہیں	۱۱۸
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ظرافت کی بعض مثالیں	۱۱۸
فائدہ (۳۶) کسی کی تحقیر جائز نہیں	۱۲۱
فائدہ (۳۷) کون کس حال میں ہے، اللہ جانتا ہے	۱۲۱
مولانا مکی حجازی صاحب مدظلہ کا واقعہ	۱۲۲
کمزوروں کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے	۱۲۳
عورتیں بھی مذاق نہ اڑائیں	۱۲۴
فائدہ (۳۸) گناہ سے نفرت ہو گناہگار سے نہیں	۱۲۵
ایک شرابی نوجوان کے ذریعہ لشکرِ اسلام کی فتح	۱۲۶
فائدہ (۳۹) ایک دوسرے کو طعنے دینا درست نہیں	۱۳۰
فائدہ (۴۰) برے القاب سے پکارنا درست نہیں	۱۳۰

فائدہ (۴۱) فسق و فجور کے کام ایمان والوں کو زیبا نہیں	۱۳۲
بری عادات و اخلاق سے توبہ نہ کرنا ظلم ہے	۱۳۲
فائدہ (۴۲) بدگمانی سے ہمیشہ بچنا چاہیے	۱۳۳
فائدہ (۴۳) ہر ظن منع نہیں، بعض ظن ضروری ہوتے ہیں	۱۳۴
فائدہ (۴۴) اللہ سے حسنِ ظن فرض ہے	۱۳۵
اللہ دی اکھیاں وڈیاں	۱۳۵
فائدہ (۴۵) بعض ظن گناہ ہوتے ہیں	۱۳۶
بدگمانی کے وساوس شیطان ڈالتا ہے	۱۳۷
بدگمانی سے بچنے کا طریقہ	۱۳۷
۱-مومنین سے ہمیشہ حسنِ ظن رکھیں	۱۳۷
۲-متعلقہ بندے سے وضاحت لے لیں	۱۳۹
۳-معاملے کو اللہ پر چھوڑیں	۱۳۹
حد لگنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی افسردگی	۱۴۰
تجسس نہ کرنے کا حکم	۱۴۱
فائدہ (۴۶) کسی کی Privacy (ذاتی معاملے) کو نہیں کریدنا چاہیے	۱۴۱
فائدہ (۴۷) غیبت حرام ہے	۱۴۲
غیبت زنا سے بھی بری ہے	۱۴۳
غیبت کی معافی مشکل ہے	۱۴۳
امام اعظم ابو حنیفہؒ کا حاسدین سے معاملہ	۱۴۴
ایک عبرت ناک واقعہ	۱۴۶
غیبت کی بدبو	۱۴۸
غیبت کرنا مردار بھائی کا گوشت کھانا ہے	۱۴۸
فائدہ (۴۸) امتناعِ غیبت سے ہر مومن کی حرمت کا تحفظ کیا گیا	۱۵۰
فائدہ (۴۹) غیبت کا معاملہ احتیاط کا متقاضی ہے	۱۵۱
غیبت سے کیسے بچیں؟	۱۵۱
خلاصۂ آیات	۱۵۳

مقامِ انسانیت	۱۵۵
اللہ کا خطاب پوری انسانیت کے نام	۱۵۶
فائدہ (۵۰) تمام انسان برابر ہیں	۱۵۶
فائدہ (۵۱) فضیلت کا معیار تقویٰ ہے	۱۵۶
فائدہ (۵۲) شریعت احترامِ انسانیت کی تعلیم دیتی ہے	۱۵۷
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احترامِ انسانیت کی مثالیں	۱۵۸
صلاح الدین ایوبیؒ کے احترامِ انسانیت کی انوکھی مثال	۱۶۰
شریعت ہمیں انسانیت سے پیار سکھاتی ہے	۱۶۱
فائدہ (۵۳) شریعت عصبیت کو ختم کرتی ہے	۱۶۱
نکاح کے لیے کفو کی شرط میں حکمت	۱۶۲
عصبیت کا تدارک	۱۶۳
ایمان اور اسلام	۱۶۵
آیات کا پسِ منظر	۱۶۶
فائدہ (۵۴) ایمان اور اسلام دونوں ایک ہی چیز ہیں	۱۶۶
مبدا اور معاد کا فرق	۱۶۷
ایمان اور اسلام کا فرق آسان لفظوں میں	۱۶۷
ایمان کیا ہے	۱۶۷
ایمان کی اصطلاحی تعریف	۱۶۷
فائدہ (۵۵) بن دیکھے کسی چیز کو کسی کے اعتماد پر مان لینا ایمان ہے	۱۶۸
فائدہ (۵۶) ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ذات وصفات کا یقین دل میں اتر جائے	۱۶۹
صحابہؓ کا مثالی ایمان	۱۶۹
فائدہ (۵۷) ذکر وسلوک کی محنت سے ایمان کی حقیقت نصیب ہوتی ہے	۱۷۲
حضرت داؤد طائیؒ کی کیفیت	۱۷۲
حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کی کیفیت	۱۷۳
فائدہ (۵۸) دنیا میں سب سے قیمتی چیز ہمارا ایمان ہے	۱۷۴
حضرت عمرؓ کے نزدیک ایمان کی قیمت	۱۷۴

ایمان کی فکر	۱۷۵
بن دیکھا سودا	۱۷۵
فائدہ (۵۹) ایمان کی قوت سب سے بڑی قوت ہے	۱۷۸
ایمان کی اہمیت	۱۷۹
ایمان ضائع ہونے کے اسباب	۱۸۱
ایسے اعمال جن کی وجہ سے ایمان محفوظ رہتا ہے	۱۸۲
اسلام کیا ہے؟	۱۸۳
مسلمان بننے کی دعا	۱۸۳
اپنی مسلمانی کا جائزہ	۱۸۴
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے	۱۸۴
وعدے کے پکے مسلمان	۱۸۵
ایک گداگر کی حمیت اسلامی	۱۸۷
بڑے میاں کی انوکھی سوچ	۱۸۸
فائدہ (۶۰) مسلمان بننے کے لیے اعمال کو کرنا پڑتا ہے	۱۹۰
سچا مومن کون ہوتا ہے؟	۱۹۱
سچا مومن ایمان پر متذبذب نہیں ہوتا	۱۹۱
ہمارا اسلام لانا محض اللہ کا احسان ہے	۱۹۳
اللہ ہمارا نگہبان ہے	۱۹۴

عرضِ ناشر

"**مکتبۃ النور**" دیوبند میں موجود بے شمار کتب خانوں میں محض ایک کتب خانے کا اضافہ نہیں ہے، بلکہ دینی کتب کی اشاعت کے ایک ایسے مرکز کا قیام ہے جس کے مقاصد میں مستند و معتبر علمائے کرام کی نایاب تصانیف کو زیورِ طبع سے آراستہ کرنا، نسلِ نو کی دینی رہنمائی کرنا، اصلاحی کتابوں کو معاشرے کے افراد تک پہنچانا، مدارسِ اسلامیہ میں داخلِ نصاب کتب کی نسلِ نو کے اذہان کو سامنے رکھتے ہوئے جدید ترتیب و تحقیق اور حل لغات واصطلاحاتِ فن کے اضافے کے ساتھ طلبۂ عزیز کی خدمت میں پیش کرنا، کسی بھی اہم اور تحقیقی کتاب کی اشاعت میں مصنف کا بھرپور تعاون کرنا، مناسب قیمت پر طلبۂ عزیز، مدارسِ اسلامیہ اور دینی اداروں ولائبریریوں کو کتابیں فراہم کرنا؛ داخل ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ مکتبہ کو معتبر علماء کی ایک جماعت کا تعاون حاصل ہے، جن کی نگرانی میں مکتبہ کے تمام امور انجام پاتے ہیں۔

مختصر سے عرصہ میں مکتبہ نے علمی حلقوں میں ایک منفرد شناخت قائم کی ہے، کئی ایک درسی کتابوں اور ان کی شروحات کے علاوہ درج ذیل علمی و معتبر کتابیں شائع ہو چکی ہیں:

- یادگارِ زمانہ شخصیات کا احوالِ مطالعہ (النخیل کراچی کا مطالعہ نمبر)
- میرے اساتذہ، میری درسگاہیں: درخشاں ستارے
- دارالعلوم دیوبند اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمیؒ
- قلم نما
- داستاں کہتے کہتے
- تحفۂ مدرسین
- کامیاب طالب علم

- ارکانِ اسلام
- کتاب المعاملات
- نورالاصباح شرح اردو نورالایضاح
- اعمالِ قرآنی (جدید کتابت)
- بچوں کے اسلامی آداب
- گوشۂ تنہائی
- معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم
- مرشد تھانوی
- گفتگو سے دل جیتئے
- لسان القرآن
- اغلاط العوام (جدید کتابت)
- باادب بانصیب (جدید کتابت)

اسی سلسلے کی ایک کڑی کے طور پر محبوب العلماء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ کے تفسیری بیانات کا ایک مجموعہ خدمت میں پیش کیا جارہا ہے جو سورۂ حجرات کے معارف اور فوائد پر مشتمل ہیں۔ البتہ کمپیوٹر کتابت کے دوران چند مقامات پر کچھ ایسے پیراگراف حذف کردیئے گئے جو براہِ راست تفسیر سے متعلق نہیں تھے۔ نیز کچھ جگہوں پر صاحبِ کتاب کی رائے سے علمی اختلاف کو حاشیہ میں جگہ دی گئی ہے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ دورانِ مطالعہ اگر کوئی بات قابلِ اصلاح نظر آئے تو ہمیں ضرور مطلع کریں، ہم آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کا اہتمام کریں گے۔ ان شاء اللہ

بدرالاسلام قاسمی

ڈائریکٹر مکتبہ النور دیوبند

واستاذ جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

۷؍ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۸؍جولائی ۲۰۲۱ء

عرضِ مرتب

رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ کے بعد ایک دفعہ یہ عاجز مرشدی ومحبوبی محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور اعتکاف کے بیانات کی ترتیب واشاعت کے متعلق پوچھا۔ مشورہ چل رہا تھا کہ دفعتاً حضرت دامت برکاتہم نے اپنے سورۃ الحجرات پر بنائے ہوئے تمام نوٹس اور یادداشتیں اکٹھی کر کے اس عاجز کے حوالے فرمادیں اور فرمایا کہ اس کو آپ تیار کریں۔ عاجز پہلے تو گھبرایا کہ یہ تو تفسیر کا کام ہے، شاید اہلِ علم حضرات کے زیادہ حسبِ حال ہو لیکن پھر خیال آیا کہ محنت تو وہ ہے جو حضرت کر چکے ہیں، عاجز نے تو حضرت کی زبان فیض ترجمان سے نکلنے والے موتیوں کو اکٹھا کرنا ہے اور لڑی میں پرونا ہے۔ تو یہ کام بھی حضرت مدظلہٗ کی توجہات اور رہنمائی سے ہو جائے گا۔ چناں چہ کچھ حوصلہ ہوا اور حضرت مدظلہٗ سے تمام نوٹس اور نکات لے کر ان بیانات کو کمپوز و مرتب کرنا شروع کر دیا۔ توفیق الٰہی شاملِ حال ہوئی اور سارا کام مکمل ہو گیا تو حضرت کے ملاحظے کے لیے اسے لے کر حاضرِ خدمت ہوا۔ حضرت مدظلہٗ نے اسے دیکھ کر خوشی کا اظہار فرمایا اور کچھ مزید رہنمائی فرمائی۔ چناں چہ مزید تبدیلیوں کے بعد اس کتاب کو مکمل کر کے تخریج وتصحیح کے لیے ''شعبۂ تصنیف وتالیف'' کے حوالے کیا۔ عاجز اللہ جل شانہ کا اس عنایت پر بہت شکر گزار ہے کہ اس کی توفیق سے ہی یہ سب کچھ ہوا۔ الحمد للہ

اس کتاب کی تیاری میں یہ عاجز حضرت کے دونوں صاحبزادگان: حضرت مولانا

پیر حبیب اللہ صاحب نقشبندی مدظلہ اور حضرت مولانا پیر سیف اللہ صاحب نقشبندی مدظلہ کی سرپرستی اور تعاون کا شکر گزار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت دامت برکاتہم العالیہ کے ان دونوں وزیروں کی زندگی میں برکت دیں اور ان کی کاوشوں سے ''معہد الفقیر الاسلامی'' کا یہ گلشن دین کی ترویج اور نشر واشاعت کے ساتھ آباد، شاد، مہکتا اور پھلتا پھولتا رہے۔ آمین ثم آمین

دعاؤں کا طالب

فقیر ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی

عرضِ ناشر

رمضان المبارک کا مہینہ مومنین کے لیے بے انتہا رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ ہوتا ہے۔ اس میں وہ روزوں، عبادات اور مناجات کے ذریعے سال بھر میں قلب وروح پر آنے والی ظلمت و کثافت کو دھو کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے سفر کے لیے پھر سے تیار کر لیتے ہیں۔ "نور علیٰ نور" بن جاتا ہے یہ وقت، اگر اس میں کسی اللہ والے کی صحبت بھی میسر آجائے۔

یہ اللہ کا کس قدر احسان ہے ہم کہ شیخ العصر، محبوب العارفین، سراج السالکین، قطب الاقطاب، پیر طریقت، رہبر شریعت، حضرت مولانا حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم رمضان المبارک کا آخری عشرہ ہمارے ادارے "معہد الفقیر الاسلامی" جھنگ میں گزارتے ہیں۔ اس موقع پر ملک بھر سے اور بیرون ملک سے بھی علماء، صلحاء اور سالکینِ طریقت کی کثیر تعداد حضرت سے فیضیاب ہونے کے لیے حاضر ہوتی ہے اور یہاں اعتکاف کرتی ہے۔ سالکین کی اصلاح وتربیت کے لیے یہاں مختلف مجالس ہوتی ہیں۔ ایک مجلس ہوتی ہے جس میں حضرت قرآن پاک کی کسی سورت کی تفسیر اپنے مخصوص انداز سے بیان کرتے ہیں، تاکہ سالکینِ طریقت کا قرآن پاک سے تعلق جوڑا جائے۔ الحمدللہ کہ یہ قرآنی تعلیمات حاضرین پر بہت مؤثر ثابت ہوتی ہیں۔ ماہ رمضان تو ویسے بھی "شہرِ قرآن" ہے تو اس کے بھی اپنے اثرات ہوتے ہیں، لہٰذا روحانی، علمی اور تربیتی ہر اعتبار سے یہ مجالس سالکین کے لیے بہترین ورکشاپ ثابت ہوتی ہیں۔

اس سال رمضان ۱۴۳۹ھ میں حضرت نے سورۂ حجرات کی تفسیر کو اپنی دوپہر کی

مجالس میں بیان فرمایا جس نے حاضرین پر خوب رنگ جمایا۔ ہمارے ادارے کی یہ کوشش رہی ہے کہ ہم حضرتؒ کی ہر مفید مجلس اور بیان کو استفادۂ عام کے لیے شائع کریں۔ چناں چہ یہ کتاب ''سورۂ حجرات کے ۶۰ رفوائد'' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جن احباب نے بھی اس کی اشاعت کے کام میں حصہ لیا ہے، اللہ اس کتاب کو ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین ثم آمین

فقیر سیف اللہ احمد نقشبندی

پیشِ لفظ

قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ اللہ کا پیغام انسانیت کے نام ہے۔ یہ انسان کو دعوتِ عمل دیتا ہے، راہِ عمل دیتا ہے اور زندگی گزارنے کا لائحۂ عمل دیتا ہے، چناں چہ انسان جب اس پر عمل پیرا ہوتا ہے تو دنیا آخرت کی کامیابیوں سے ہم کنار ہوتا ہے۔

فقیر نے اپنے شیخ حضرت مرشدِ عالم علیہ الرحمہ کو قرآن کی دعوت دیتے دیکھا۔ وہ صحیح معنوں میں داعیٔ قرآن تھے، بلکہ سچ کہیں تو عاشقِ قرآن تھے۔ جہاں بیٹھتے وہاں قرآن کی بات کرتے اور قرآن سے بات کرتے تھے۔ ان کا درسِ قرآن-سبحان اللہ!- آیاتِ قرآنی کا ایسا تسلسل ہوتا تھا کہ سننے والے کو قرآنی تعلیمات اپنے دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے: ''تیرے ہاتھ میں ہو قرآن اور تو دنیا میں رہے پریشان، تیرے ہاتھ میں ہو قرآن اور تو دنیا میں رہے ناکام، تیرے ہاتھ میں ہو قرآن اور تو دنیا میں رہے غلام (غلامی نفس کی ہو، شیطان کی ہو، یا کسی انسان کی ہو) ناں، ناں، ناں۔ او میرے ماننے والے مسلمان! اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ تو پڑھ قرآن، تیرا رب کرے گا تیرا اکرام۔ تیرا رب تجھے عزت و وقار دے گا اور تیرے ظاہر و باطن کو نکھار دے گا۔'' اور واقعی قرآن ہماری ظاہری باطنی تربیت کرتا ہے اور ہمیں ایسے آداب و اخلاق سے مزین کرتا ہے کہ ہم دنیا و آخرت میں عزتوں بھری زندگی گزارنے والے بن جاتے ہیں۔

حضرت قدس سرہٗ کے اسی فیض کے زیرِ اثر فقیر کے دل میں بھی ایک داعیہ پیدا ہوا کہ لوگوں کو اور بالخصوص اپنے متعلقین کو قرآنی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے، تا کہ وہ ان

پر عمل کر کے اللہ اور رسول ﷺ کے پسندیدہ بندے بن جائیں۔ چناں چہ فقیر نے گزشتہ کچھ سالوں سے اعتکاف کی مجالس میں قرآن کریم کی منتخب سورتوں کی تفسیر کا ایک سلسلہ شروع کر رکھا ہے، جس میں قرآن پاک کی کسی سورت کی تفہیم وتفسیر کو اپنے اکابر کی تعلیمات کی روشنی میں بیان کیا جاتا ہے، اس سال رمضان المبارک میں اعتکاف کی انھی مجالس میں فقیر نے سورۂ حجرات کی تفصیلات کو کھولا۔

یہ سورت بنیادی طور پر مومنین کو ادب سکھاتی ہے۔ ایک سالک بھی جب راہِ سلوک پر چلتا ہے تو سب سے پہلے ادب سیکھتا ہے؛ کیوں کہ وصلِ الٰہی اس کی منزل ہوتی ہے اور محبت الٰہی اس کا توشہ، تو یہ محبت بغیر ادب کے نہیں ملتی کہ ع

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

لوگ چوں کہ فقیر کی خانقاہ میں عشقِ الٰہی کی گرمی ہی تو حاصل کرنے آتے ہیں، اس لیے ادب کی اہمیت کو سمجھنا اور اسے سیکھنا ان کی پہلی ضرورت بن جاتا ہے۔

أَدِّبُوا النَّفْسَ أَيُّهَا الْأَصْحَابُ!
طُرُقُ الْعِشْقِ كُلُّهَا آدَابُ!

سورۃ الحجرات میں یہی آداب سمجھائے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ اور ان کے نائبین کے ساتھ ایک مومن کا معاملہ کیا ہونا چاہیے؟ اور پھر عام مومنین اور دیگر لوگوں کے ساتھ اس کی معاشرت کیسی ہونی چاہیے؟ اس میں ایسے بہت سے نکات اور بنیادی باتیں سمجھائی گئی ہیں کہ جن کا اگر خیال رکھا جائے تو انسان ہر قسم کے قلبی اور روحانی امراض سے بچ جاتا ہے اور ایک مثالی معاشرت قائم کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کا اپنے رب سے بھی معاملہ درست ہو جاتا ہے اور مخلوق سے معاملہ بھی درست ہو جاتا ہے۔ اس کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر روزانہ ظہر کے بعد اس سورت میں آنے والے مختلف موضوعات پر بیان ہوتا رہا، جس کا حاضرین کو بہت فائدہ ہوا۔

ان بیانات کی افادیت کے پیشِ نظر اب عزیزم ڈاکٹر شاہد محمود صاحب نے ان کو کتابی صورت میں مرتب کر کے شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ جن احباب نے اس کی اشاعت

میں اپنا مقدور بھر حصہ ڈالا اللہ تعالیٰ ان کی کاوش کو قبول فرمائے اور انھیں اپنے مقربین میں شامل فرمائے۔ آمین ثم آمین

دعا گو و دعا جو

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

کان اللہ لہٗ عوضاً عن کل شیء

تعارف سورۂ حجرات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ
عَلِيْمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا
لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝
اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ
لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ
الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ
خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ
فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝ وَاعْلَمُوْۤا
اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ
اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَ
الْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

حَكِيْمٌ ۝٨ وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ
اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ
فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝٩ اِنَّمَا
الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝١٠ ع
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا
نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَ لَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا
تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَ مَنْ لَّمْ يَتُبْ
فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝١١ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ
الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ
لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝١٢ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ
اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ
اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝١٣ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ
لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اِنْ
تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٤ اِنَّمَا
الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ
وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝١٥ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ
بِدِيْنِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝١٦
يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ
اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝١٧ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۸۱﴾
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۲﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

مقامِ نزول

سورۃ الحجرات مدنی سورت ہے۔ [۱] ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے دو حصے ہیں: ایک حصہ ہجرت سے پہلے کا ہے اور دوسرا حصہ ہجرت کے بعد کا ہے۔ وہ تمام سورتیں جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں ان کو "مکی سورتیں" کہا جاتا ہے، چاہے وہ جہاں بھی نازل ہوئیں۔ اور وہ تمام سورتیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں، ان کو "مدنی سورتیں" کہا جاتا ہے، چاہے وہ جہاں بھی نازل ہوئیں۔ [۲]

مثال کے طور پر سورۂ فتح کی آیات حدیبیہ کے مقام پر نازل ہوئیں تھیں:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ [۳]

اب یہ حدیبیہ مکہ مکرمہ سے ۱۸ رکلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور مدینہ طیبہ سے ۴۵۰ ر کلومیٹر دور ہے، مگر یہ مدنی آیات کہلاتی ہیں؛ اس لیے کہ ہجرت کے بعد نازل ہوئیں۔

قرآن مجید کی آیات:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ [۴]

میدانِ عرفات میں یوم عرفہ میں نازل ہوئیں۔ اب عرفات تو مکہ کا حصہ سمجھا جاتا ہے، مگر یہ آیات مدنی کہلائیں گی۔

سورۃ المرسلات منیٰ میں اتری اور منیٰ تو حدودِ حرم کے اندر ہے، مگر اس کو مدنی ہی کہا

---

[۱] التفسیر المظہری: ۹/ ۳۹، سورۃ الحجرات
[۲] الدر المنثور للسیوطی: ۱/ ۴۴۵، علوم القرآن، ص: ۶۰
[۳] الفتح: ۱۸
[۴] المائدۃ: ۳

جاتا ہے؛اس لیے کہ ہجرت کے بعد اتری۔

تو اصول یہ ہے کہ جو سورتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں وہ ''مکی سورتیں'' کہلاتی ہیں اور جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں وہ ''مدنی سورتیں'' کہلاتی ہیں۔ اس اعتبار سے یہ سورت مدنی ہے۔

امہات المومنین ؓ کے حجرات کی ساخت

نبی ﷺ کی ۹؍ازواجِ مطہرات تھیں اور ۹؍حجرات بنے ہوئے تھے۔ ''حُجْرَۃ'' کہتے ہیں گھر کو۔ حجرات اس کی جمع ہے۔ تو سب کے گھر اکٹھے بنے ہوئے تھے۔ یوں سمجھ لیں کہ یہ چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ مسقّف یعنی چھت والی عمارت تھی جو تقریباً آٹھ ہاتھ کی تھی۔ ایک ہاتھ ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے، تو ۱۰؍ یا ۱۲؍فٹ کا یہ کمرہ تھا جس پر چھت پڑی ہوئی تھی اور اس کے آگے آٹھ ہاتھ کا صحن تھا۔ پھر ایک دروازہ لگا ہوا تھا، مگر یہ دروازہ لکڑی کا نہیں ہوتا تھا، بلکہ کالے رنگ کا ایک موٹا سا کپڑا تھا جو پردے کی خاطر لٹکا دیا گیا تھا اور چھت کھجور کی ٹہنیوں کی بنی ہوئی تھی۔ صحابہ کرام کہتے ہیں کہ جب بعد میں ہمیں اندر جانے کا موقع ملا، ہم زمین پر کھڑے ہو کر ہاتھ اوپر اٹھاتے تھے تو ہمارے ہاتھ چھت کو لگتے تھے، یعنی چھت زیادہ اونچی نہیں تھی۔ یہ ہمارے آقا ﷺ کی اس دنیا میں زندگی گزارنے کی جگہ تھی۔ جہاں اصحابِ صفہ کی جگہ بنی ہوئی ہے، اس کے بالکل سامنے جو حجرہ شریفہ کے اندر کی جگہ ہے۔ یہ حجرۂ فاطمۃ الزہرا تھا۔ سیدہ فاطمۃ الزہرا ؓ کا گھر تھا۔ اس کے بعد پھر ازواجِ مطہرات کے حجرات شروع ہو جاتے تھے۔ جہاں اس وقت گنبدِ خضرا ہے، یہ سیدہ عائشہ صدیقہ کا حجرہ تھا، جہاں پر اب ہم کھڑے ہو کر صلاۃ وسلام پڑھتے ہیں، جس کو مواجہہ شریف کہتے ہیں، یہ امّ سلمہ کا گھر تھا۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ عصر کی نماز کے بعد سب ازواجِ مطہرات کے گھر ۵، ۱۰؍منٹ کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور مغرب عشاء پڑھ کر اس حجرے میں تشریف لے جاتے جہاں باری ہوتی تھی۔ بہت عرصہ تک یہ حجرات الگ رہے۔ پھر جب مسجدِ نبوی کو وسیع کرنے کا موقع آیا تو ضرورت کی وجہ سے ان حجرات کو مسجد کے اندر داخل کر دیا گیا۔ آج کل حجرات

کی جگہ مسجد کے اندر ہے۔

سورۃ ''الحجرات'' کی وجہ تسمیہ

اللہ نے اس سورت کا نام ''الحجرات'' کیوں پسند فرمایا؟ اس لیے کہ اس میں ایسے اصول بتائے گئے ہیں کہ جن پر عمل کرنے سے گھروں میں معاشرتی زندگی جنت کا نمونہ بن جاتی ہے۔ گھروں کے اندر بھی تو بہت سارے مسئلے چلتے ہیں۔ ساس بہو کا مسئلہ، دو بھائیوں کی بیویوں کے آپس میں مسئلے، گھروں کے مسئلے، خاندانوں کے مسئلے، برادریوں کے مسئلے، یہ سارے فتنہ وفساد گھروں کے اندر ہوتے ہیں۔ اگر اس فتنہ وفساد کا بندوبست کر لیا جائے تو گھروں کی زندگی جنت کا نمونہ بن جائے، اس لیے پھر اس سورت کا نام اللہ تعالیٰ نے ''الحجرات'' پسند فرمایا۔

سورتوں کے درمیان ربط کی ضرورت

مفسرین سورتوں کے درمیان ایک دوسرے کے ساتھ ربط کو بھی بیان فرماتے ہیں۔ لیکن یہ مسئلہ یاد رکھیں کہ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں سورتوں کے اور آیات کے درمیان ربط کا علم عام نہیں تھا اور صحابہ کرامؓ کی اس طرف توجہ بھی نہیں تھی، وہاں تو صرف محبت کی وجہ سے ''اسمَعُوا وَ اَطِیعوا'' بات سنتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ مزید جو تفصیلات ہیں اس کے پیچھے نہیں پڑتے تھے، پھر صحابہ کے بعد تابعین کا دور آیا، پھر تبع تابعین کا دور آیا تو تبع تابعین کے دور میں اسلام ماوراء النہر تک پھیل گیا اور ہسپانیہ تک پھیل گیا۔ کئی ملک ایسے تھے کہ جہاں مشرک رہتے تھے اور کہیں دہریے تھے وہ بھی مسلمان ہو گئے، جب اسلام وہاں تک پہنچا تو جو مشرکین تھے انہوں نے قرآن مجید کے اوپر اعتراض کرنے شروع کر دیے۔ پہلا اعتراض یہ کیا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو کلام کو مربوط ہونا چاہیے۔ سورتوں اور آیات کا آپس میں ایک دوسرے سے ربط ہونا چاہیے۔ جب یہ سوال پوچھا گیا تب علمائے وقت کی توجہ اس طرح ہوئی کہ ہمیں آیات کے درمیان ربط کے علم کو بھی تلاش کرنا چاہیے۔ علامہ بقاعیؒ ایک تبع تابعی تھے، انہوں نے سب سے پہلے ایک کتاب لکھی ''نظم الدرر فی ربط الآیات و السور'' یہ پہلی کتاب تھی جو ربطِ آیات اور ربطِ سورت

کے اوپر لکھی گئی، اس کا ایک قلمی نسخہ آج بھی مدینہ طیبہ کی لائبریری میں موجود ہے۔

ربط سورۂ حجرات

سورۃ الحجرات قرآن پاک میں ۴۹ رویں نمبر پر آئی ہے۔ اس سے پہلے سورۃ الفتح ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورۃ الفتح کے ساتھ اس سورت کا ربط کیا بنتا ہے؟ تو مفسرین نے لکھا ہے کہ:

۞---سورۃ الفتح میں اللہ تعالیٰ نے جنگ کے قوانین بتائے، بیعت کا طریقہ، بیعت کیسے کیا جائے؟ اور بیعت کی فضیلت کیا ہے؟ بیعت جہاد کیا ہوتی ہے؟ اور اس پر ملنے والے انعامات کیا ہوتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے یہ سب چیزیں بتائیں، جب کہ سورۃ الحجرات میں اللہ تعالیٰ نے امن کے مسائل بیان فرمائے کہ امن کی حالت میں تمہاری معاشرت کیسی ہونی چاہیے؟ اگر تم گھروں میں محبت پیار کے ساتھ رہو گے تو اس پر تمہیں کیا ملے گا؟ تو وہاں جنگ کے مسائل تھے اور اس سورت میں امن کی حالت کے مسائل ہیں۔

۞---دوسری بات: سورۃ الفتح میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان کرتے ہوئے مومنین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کا حکم دیا۔ فرمایا:

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شٰهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ

"یقیناً ہم نے تجھے گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا، تاکہ (اے مسلمانو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو۔"

تو سورۃ الفتح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام کا حکم دیا اور اس سورت میں ادب کیسے ہوتا ہے؟ اس کی عملی تربیت دی۔

۞---اور تیسری بات کہ سورۂ فتح میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کا تذکرہ کیا تھا، صحابہ کرامؓ کی شان بیان فرمائی:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗٓ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ

پھر ان کے بارے میں فرمایا کہ ان کی تو مثالیں ہم نے تورات میں اور انجیل میں پہلے سے بیان کی ہوئی ہیں:

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ [1]

تو سورۃ الفتح کے آخر پر صحابہؓ کی شان بتائی تھی اور سورۃ الحجرات کے اندر ایسے اعمال بتائے کہ جن کو کرنے سے ان کی شان میں کمی آسکتی ہے۔

سورۃ الفتح میں عظمت کا بیان ہے اور سورۃ الحجرات میں ادب کا بیان ہے۔ نبی علیہ السلام کا ادب، صحابہؓ کا ادب، اولیاء کا ادب، انسانیت کا ادب اور دین کا ادب۔

یہ سورۃ الفتح اور سورۃ الحجرات کے درمیان ربط ہے۔ [2]

آیات کا ایک اجمالی خاکہ

اس سورت کے اندر ۱۸/ آیات ہیں۔ آپ اس کا ایک خاکہ ذہن میں بٹھا لیجیے کہ ان ۱۸/ آیات کی تقسیم کیسی ہے؟ کل آیات ۱۸ ہیں۔

❁ --- ان میں سے جو پہلی ۵/ آیات ہیں، اس میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آداب سکھائے گئے ہیں۔

❁ --- اس کے بعد ۴/ آیات اور ہیں، اس میں صحابہؓ کے مقام کو کھولا گیا ہے۔

یہ کل ۹/ آیات ہو گئیں، آدھی سورت تو یہ ہو گئی اور باقی ۹/ آیات رہ گئیں، ان ۹/ آیتوں کی ترتیب اس طرح ہے کہ:

❁ --- ۳/ آیات میں مقامِ اخوت کو کھولا گیا ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

❁ --- ایک آیت میں مقامِ انسانیت کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

❁ --- اور آخری ۵/ آیات میں ایمان اور اسلام کے بارے میں بتلایا گیا کہ

---

[1] الفتح: ۲۹ [2] تفسیر کبیر، الحجرات، الآیۃ: ۱

ایمان کیا ہوتا ہے؟ اور اسلام کیا ہوتا ہے؟

تو ۵ر آیات مقامِ رسالت کے بارے میں، ۴ر مقامِ صحابہ کے بارے میں، ۳ر مقامِ اخوت کے بارے میں اور ایک مقامِ انسانیت کے بارے میں ہے۔ ۵ر ایمان اور اسلام کے بارے میں۔ یہ ۱۸ر آیات بن گئیں۔

آپ اندازہ کیجیے کہ اس سورت میں مخلوق کے ساتھ تعامل کو بتایا گیا کہ تم نے ان کے ساتھ بات کیسے کرنی ہے؟ Interact کیسے کرنا ہے؟

اور اس میں اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ پہلے کیا، جو کائنات میں سب سے بلند مرتبے والے ہیں، وہاں سے بات شروع فرمائی اور بالآخر ایک عام آدمی، دنیا میں جو ادنیٰ آدمی ہے، جو مسلمان بھی نہیں ہے اس کے بارے میں پھر تذکرہ کیا۔ یعنی ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ ترین تک دنیا میں جو انسان تھے ان کے ساتھ Interact (تعامل) کا طریقہ اس سورت میں بتایا گیا۔ اور کل فقرے کتنے ہیں؟ ۱۸ر فقرے ہیں۔ انسان سوچ سکتا ہے کہ ۱۸ر فقروں میں اتنے مضامین کو بھر دیا گیا، اتنی وسعت ہے قرآن مجید میں کہ ۱۸ر فقروں کے اندر اخلاق کے ایک پورے باب کو سمو دیا گیا۔ اس کو کہتے ہیں "سمندر کو کوزے میں بند کرنا"۔ اللہ تعالیٰ نے واقعی قرآن مجید کے اندر سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

آپ نے آج قاری صاحب سے سورت سنی، ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ جو عوام الناس میں سے ہیں ان کو سمجھ نہ آئی ہو اور جو علماء ہیں وہ سمجھ گئے ہوں گے، لیکن جب ہم چند دن اس کا تکرار کریں گے اور اس کو پڑھیں گے، اس کے بعد پھر جب اس سورت کی تلاوت ہوگی تو پھر آپ اس کے ایک ایک لفظ کو سن کر حیران ہوں گے کہ اس سورت کے اندر اخلاق اور آداب کی تعلیم کو کیسے سمو دیا گیا ہے؟

استفادہ از کتبِ تفاسیر

کوئی انوکھا کام نہیں کیا۔ بہت ساری عربی اردو تفاسیر سے ہم نے ان کے مضامین کو تلاش کیا ہے۔ یہ سارے ہیرے موتی پہلے سے موجود ہیں، ان کو اکٹھا کرنے والی بات ہوتی ہے، لیکن چند ایسی تفاسیر جن سے بہت علمی نکات ملے، ان کا نام بھی بیان کر دیتے

ہیں۔ ان میں سے:

۞- ایک تفسیر ہے ''التحریر والتنویر''۔ یہ قاسم ابن آشور کی عربی زبان میں تفسیر ہے۔

۞- دوسری تفسیر ہے ''البحر المدید'' یہ ابن عجیبہؒ کی کتاب ہے عربی میں۔

۞- تیسری تفسیر ہے ''تفسیر لطائف الاشارات''۔ امام قشیریؒ کی۔

۞- چوتھی تفسیر ہے ''تفسیر کبیر'' امام رازیؒ کی۔

۞- پانچویں فارسی کی تفسیر ہے کشف الاسرار۔ یہ افغانستان کے ایک بزرگ تھے عبداللہ انصاری ہرویؒ (ہرات کے علاقے کے رہنے والے) ان کی تفسیر ہے۔

یہ انوکھی اور غضب کی تفسیر ہے۔ اس میں انہوں نے ہر آیت کو تین طرح سے بیان کیا ہے: نوبتِ اوّل، نوبتِ ثانی اور نوبتِ ثالث۔

نوبتِ اوّل میں وہ آیت کے معانی بیان کرتے ہیں صرف ونحو کے اعتبار سے۔

نوبتِ ثانی میں اس کے اندر جو معارف ہیں وہ بیان کرتے ہیں۔

اور نوبتِ ثالث میں جو اس میں سلوک کے مسائل ہیں اور روحانیت کی باتیں ہیں وہ بیان کرتے ہیں۔

انسان حیران ہوجاتا ہے اس تفسیر کو پڑھ کر کہ اللہ نے ہمارے علماء کو دین کا کتنا علم عطا فرمایا تھا۔

چھٹی تفسیر: (اردو کی دو تفاسیر بھی مطالعہ میں رہیں) ایک ہمارے سلسلے کے بزرگ تھے قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، ان کی تفسیر ہے ''تفسیر مظہری''۔ اس کا تذکرہ ''بیان القرآن'' میں حضرت اقدس تھانویؒ بھی فرماتے ہیں۔

اور ساتویں تفسیر ایک بنیادی تفسیر ''بیان القرآن'' ہے۔ جو حضرت اقدس تھانویؒ کی ہے جو بہت بڑے بڑے مسائل کو حل کرنے میں مدد کرتی ہے۔

ان تفاسیر سے بالخصوص فائدہ اٹھایا گیا اور ان سے نکات لیے گئے۔ اللہ تعالیٰ ان نکات کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۞۞۞

مقامِ نبوت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۳ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۴ وَ لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ (الحجرات:۱تا۵)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝
وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

سورۂ حجرات کی جو پہلی پانچ آیات ہیں وہ آدابِ رسالت کے بارے میں ہیں، تاکہ ہمیں مقامِ نبوت کی عظمت کا پتہ چل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو بڑی شان عطا فرمائی، اس لیے کہ آپ ﷺ نبی الانبیاء ہیں۔ آپ ﷺ صرف ہم امتیوں

کے نبی نہیں تھے، بلکہ جتنے انبیاء علیہم السلام آئے ان کے بھی آپ نبی تھے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ [1]

ترجمہ: اور جب اللہ نے انبیاء علیہم السلام سے اس بات کا عہد لیا کہ جب میرے محبوب آئیں گے تم ان پر ایمان لانا، ان کی تصدیق کرنا اور ان کی مدد کرنا۔تو انبیاء علیہم السلام سے تصدیق کا یہ عہد لیا جارہا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیاء ہیں۔اس لیے جب آپ معراج پر تشریف لے جانے لگے تو جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو آگے ہونے کا اشارہ کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی۔آپ امام الانبیاء ہیں اور نبی الانبیاء ہیں۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت عزت دی، بہت مرتبہ دیا اور ہمیں حکم دیا کہ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ [2] (تم ان کی عزت کرو، ان کی قدر کرو اور ان کا ادب کرو) ہمیں قرآن یہ حکم دے رہا ہے اور صرف حکم نہیں دیا، بلکہ ان کا ادب سمجھایا بھی، یہ آیات اسی بارے میں ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ①
”اے ایمان والو! آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور ڈرتے رہو اللہ سے۔بے شک اللہ سنتا ہے، جانتا ہے۔“

فائدہ (۱) اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر انتہائی شفیق ہیں

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہہ کر مومنین کو مخاطب کیا۔جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے کو بلاتا ہے تو محبت سے کہتا ہے: یَا بُنَیَّ ! اے میرے بیٹے ! تو اللہ تعالیٰ نے بھی محبت بھرا خطاب کیا۔اور یہ خطاب اس سورت میں پانچ مرتبہ کیا۔یہ اللہ تعالیٰ کی ایمان والوں سے شفقت کی انتہا ہے۔

[1] آل عمران:۸۱ [2] الفتح:۹

اور ایک بات یہ ہے کہ ایمان کا اخلاق کے ساتھ ایک تعلق ہے۔ مومن سے اچھے اخلاق کی ہی توقع کی جاتی ہے۔ جیسا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا. [1]

ترجمہ: ایمان والوں میں سب سے کامل مومن وہ ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں۔

اس سورت میں چوں کہ اخلاق کو سنوارنے کی تعلیمات دی گئیں، اس لیے بار بار یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہہ کر بلایا گیا کہ تم تو ایمان والے ہو، تمہارے تو اخلاق بہترین ہونے چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ سے تقدّم کی ممانعت

لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ سے تقدم نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مومن اللہ کے حکم کے بغیر کوئی کام نہ کرے۔ مومن عمل شروع اس وقت کرتا ہے جب اللہ کی طرف سے حکم ہوتا ہے۔ لوگ دنیا کے بادشاہوں کے آگے چلنا جرم سمجھتے ہیں، اللہ تو احکم الحاکمین ہیں۔

یہاں پر ''بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ'' فرمایا۔ مطلب ہے کہ تم اللہ کے سامنے ہو۔ تم جو بھی کرو گے اللہ کی نظر سے بچ نہیں سکتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدّم کی ممانعت

فرمایا: لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ

یہاں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مخاطب فرما رہے ہیں کہ تم اللہ اور اس کے رسول سے تقدم نہ کرو، یعنی آگے نہ بڑھو۔ قول میں اور فعل میں اللہ سے اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔ چلنے میں، کھانے پینے اور بات کرنے میں، کسی بھی معاملے میں آپ اپنی طرف سے نہ کوئی بات کریں کہ یوں کر لینا چاہیے، بلکہ جس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اسی طرح کرنا چاہیے۔

سائل کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تقدّم سے کیا مراد ہے؟ تو مفسرین نے یہ لکھا کہ اللہ تعالیٰ اصل میں اپنے محبوب کا تذکرہ کرنا چاہتے تھے، لیکن ان

[1] سنن الترمذی، رقم: ۱۱۶۲، باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجہا

کی عظمت بیان کرنے کے لیے اپنا بھی تذکرہ کردیا کہ میرے محبوب سے سبقت کرو گے تو گویا اللہ سے سبقت ہو جائے گی۔

فائدہ (۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری پوری زندگی کے امام ہیں

عربوں میں ایک مقولہ ہے:

لَا تَقَدَّمْ بَيْنَ يَدَيِ الْإِمَامِ وَبَيْنَ يَدَيِ الْأَبِ. [1]

"امام سے سبقت نہیں کرنی چاہیے اور والد سے سبقت نہیں کرنی چاہیے۔"

اب آپ بتائیں! آپ نماز میں کھڑے ہوں، آپ امام سے پہلے رکوع میں جاسکتے ہیں؟ امام سے پہلے سجدے میں جاسکتے ہیں؟ امام سجدے میں ہو تو آپ امام سے پہلے سر اوپر اٹھاسکتے ہیں؟ امام ابھی التحیات میں بیٹھا ہے، آپ اس سے پہلے سلام پھیر سکتے ہیں؟ جو مقتدی امام سے سبقت کرے گا، اس کی نماز ہی جاتی رہے گی۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری پوری زندگی کے امام ہیں۔ اسی طرح کسی بھی معاملے میں ہم ان کی سنّت سے آگے پیچھے کریں گے تو زندگی کا عمل ضائع ہو جائے گا تو تقدم اور سبقت کو منع کردیا گیا کہ تم یہ نہیں کرسکتے۔ اب اس حکم کے اندر کئی مضامین آجاتے ہیں۔

ہر حال میں اتباعِ شریعت کا حکم

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ "اِتِّبَاعُ شَرْعٍ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ" (ہر چیز میں تم شرع کی اتباع کرو)۔ [2]

لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ میں مقصد یہ ہے کہ تم شریعت کے آگے پیچھے کوئی کام نہیں کرسکتے۔

مثلاً خاندان والے کہتے ہیں تم بینک سے سود پر قرضہ لو، مگر شریعت کہتی ہے سود حرام ہے، سود لینے اور دینے والے پر اللہ کی لعنت ہے تو مت قرضہ لیں۔ خاندان والوں کی بات نہ مانیں، اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانیں۔

---

[1] تفسیر المظہری: ۹/۳۰، الحجرات: ۱ [2] روح المعانی: ۱۳/۲۸۵، الحجرات: ۱

شریعت رسوم ورواج پر مقدم ہے

اسی سے ثابت ہوا کہ جو رسم ورواج ہیں، انسان ان کو چھوڑ کر شریعت کے اوپر جما رہے، رسم ورواج کی پیروی نہ کرے۔ ہمارے ہاں شادی بیاہ میں اور خوشی غمی میں رسم و رواج پر بہت عمل کرتے ہیں۔ شریعت کہتی ہے:

لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ

"اللہ اور اس کے رسول سے تم کسی چیز کو مقدم نہ کرو۔"

بعض دفعہ لوگ کہتے ہیں: جی! اس موقع پر ہمارے ہاں تو یہ رسم ہے، ہمارے ہاں تو یہ رواج ہے۔ دین دار لوگ بھی رسم ورواج کے اوپر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ شادی بیاہ کی تقریبات میں سب کو راضی کر لیا جاتا ہے لیکن اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کر لیا جاتا ہے۔ اس آیت نے اس چیز کی ممانعت کر دی۔

نص قیاس پر مقدم ہے

اور ابن عاشور نے یہاں پر نکتہ لکھا ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نص، قیاس کے اوپر مقدم ہے، کیوں کہ کوئی چیز نص کے آگے نہیں جا سکتی، پیچھے ہی ہوگی۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ سے پوچھا گیا کہ حضرت! آپ مسئلے کا جواب کیسے دیکھتے ہیں؟ فرمایا: میں سب سے پہلے قرآن مجید کو دیکھتا ہوں، اگر مسئلہ مل جاتا ہے تو جواب دے دیتا ہوں۔ اگر نہیں ملتا تو پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو دیکھتا ہوں، اگر مسئلہ وہاں مل جاتا ہے تو بتا دیتا ہوں۔ اگر وہاں بھی نہیں ملتا تو میں صحابہ کی جماعت کو دیکھتا ہوں اور ان کے عمل کو دیکھتا ہوں، اگر جماعت صحابہ میں مل جاتا ہے تو میں اس کا عمل دے دیتا ہوں۔ اور اگر اس میں بھی نہیں ملتا تو پھر قیاس کرتا ہوں، جیسے اور لوگ قیاس کرتے ہیں۔ [1]

دیکھیے! یہ جو ترتیب ہے وہ اس آیت کے بالکل مطابق ہے۔ سب سے اوپر جو مسئلہ قرآن مجید میں ہوگا، پھر جو سنت سے ملے گا، پھر جو حیات صحابہ سے ملے گا اور ان سب

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ۶/۴۰۱، ابو حنیفۃ النعمان بن ثابت التیمی

کے بعد قیاس ہوگا، جو مختلف فقہاء نے کیا ہے۔

سنّت، بدعت پر مقدّم ہے

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ انسان سنّت اعمال کو اختیار کرے، اور بدعات سے پرہیز کرے، کیوں کہ بدعت دین میں اضافے کا نام ہے اور دین میں اضافہ جائز نہیں ہے۔

كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ

ترجمہ: ہر نئی چیز بدعت ہوتی ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں جائے گی۔ [1]

یعنی بدعت پر عمل کرنے والا بندہ آگ اور جہنم میں جائے گا۔ تو ایک آیت کے اندر دیکھو! کتنے بڑے مضامین کو سمو دیا گیا!! لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ

فائدہ (۳) جو ملتا ہے خدا سے ملتا ہے، مگر خدا ملتا ہے محمد مصطفیٰ سے

اس آیت کے معانی اگر ہمیں سمجھ میں آجائیں تو ہماری زندگی پوری کی پوری سنّت کے اوپر آجائے۔ پورے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہی تعلیم دی کہ جو بھی ملتا ہے اللہ سے ملتا ہے۔

جو ملتا ہے کس سے ملتا ہے؟ اللہ سے۔

ہمارا حاجت روا کون ہے؟ اللہ ہے۔

ہمارا مشکل کشا کون ہے؟ اللہ ہے۔

ہمارا حاجت روا، ہمارا مشکل کشا، ہماری پناہ گاہ صرف اللہ کی ذات ہے۔ نہ قبروں پر جانے کی ضرورت ہے، نہ کسی درخت سے مانگنے کی ضرورت ہے اور نہ کسی لکڑی پتھر کے بت سے مانگنے کی ضرورت ہے۔ یہ شرک اللہ کو ناپسند ہے اور ہم بھی اس شرک سے بیزار ہیں۔ اس آیت کا مرکزی نکتہ سمجھنے کے لیے ایک فقرہ اپنے ذہن میں یاد رکھ لیجیے! ''جو ملتا ہے خدا سے ملتا ہے، مگر خدا محمد مصطفیٰ سے ملتا ہے۔'' اگر کوئی بندہ چاہے کہ مجھے خدا مل جائے تو وہ خود نہیں مل سکتا۔ کیسے ملے گا؟ اتباعِ سنّت سے ملے گا۔

---

[1] سنن النسائی، رقم: ۱۵۷۸، باب کیف الخطبۃ

اتباعِ سنّت کی اہمیت

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے:

''اللہ نے اپنے تک آنے کے سارے راستے بند کر دیے، سوائے اس راستے کے جس پر نبی ﷺ چلے ہیں۔''

اس لیے اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں اللہ کا تعلق نصیب ہو جائے تو ہمیں اپنے ہر کام اور ہر معاملے میں سنّت کی پیروی کرنی پڑے گی۔ سنّت سے سبقت کرنے والا بندہ، کبھی اللہ کو نہیں پا سکتا۔ تو آپ اس آیت کو پڑھ کر یہ مضمون ذہن میں بٹھا لیجیے کہ زندگی کا چھوٹا کام ہو یا بڑا کام ہو ہمیں سنّت کی اتباع کرنی ہے۔ رسم و رواج کے پیچھے نہیں چلنا اور بدعات کے پیچھے نہیں چلنا، بلکہ ہر کام میں سنّت کی پیروی کرنی ہے۔ نبی علیہ السلام کی سنّت سے محبت کرنا، اپنی اولاد کو سنّت کے طریقے سکھانا، اپنے گھر کو سنتوں سے سجانا اور اپنی زندگی میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر سنّت پر عمل کا شوق ہونا چاہیے۔ جیسے شادی کے وقت دلہن کو سجاتے ہیں۔ آنکھوں میں سرمہ ڈال دو، جی! دلہن کی آنکھیں خوب صورت لگیں گی۔ کان میں بالیاں ڈال دو، جی! کان خوب صورت لگیں گے۔ ہاتھوں میں چوڑیاں ڈال دو، جی! کلائیاں خوب صورت لگیں گی۔ انگوٹھی ڈال دو تو انگلیاں خوب صورت لگیں گی۔ جس عضو میں زیور ڈالتے جائیں وہ خاوند کی نظر میں خوب صورت نظر آتا ہے۔ اسی طرح نبی علیہ السلام کی جس سنّت کو ہم اپنے عضو پر سجا لیں گے ہمارا وہ عضو اللہ کی نظر میں خوب صورت بن جائے گا۔ اور جو متبع سنّت بندہ ہوتا ہے وہ اللہ کی نظر میں اسی طرح سجا ہوا ہوتا ہے جیسے کہ دلہن اپنے خاوند کے سامنے سجی ہوئی ہوتی ہے۔ اللہ اس کو محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ اس کا اٹھنا، بیٹھنا، اس کا چلنا، اس کا پھرنا اور اس کا بولنا، اس کا ہر عمل مجھے میرے محبوب کی یاد دلاتا ہے۔ مجھے یہ بندہ ہی پیارا لگتا ہے، اس لیے نبی ﷺ نے فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [1]

ترجمہ: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگ جائیں گے۔

---

[1] آل عمران: ۳۱

تو متبع سنّت انسان اللہ کا محبوب بن جاتا ہے، اللہ کا پیارا بن جاتا ہے۔آپ بتائیں! جب کوئی پیارا بندہ کوئی بات کہے تو "نہ" کرنے کو دل کرتا ہے؟ نہیں کرتا۔ اسی طرح متبع سنّت بندہ جب دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو "نہ" نہیں کرتے، اس کی دعا کو پورا فرما دیتے ہیں۔تو مستجاب الدعوات بننے کا بھی آسان طریقہ سنّت کی اتباع ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی اتباعِ سنّت میں احتیاط

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اتنا اس کا خیال کیا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ آپ کے دانت میں درد تھا، یہ دانت میں جو Cavity (کھوڑ) بن جایا کرتی ہے۔تو آج کل تو اس کی دوائیاں ہیں، اس زمانے میں لونگ رکھ لیا کرتے تھے۔لونگ کے تیل سے اس درد کو آرام آجاتا تھا، چناں چہ دانت میں درد تھا تو آپ نے ایک سالک کو کہا: بھئی! کچھ لونگ لے کر آؤ۔اب وہ لونگ لے کر آئے تو پتہ نہیں وہ چار تھے یا چھ تھے۔حدیث پاک میں آتا ہے: اللہ تعالیٰ وتر ہیں اور وتر (طاق) چیزوں کو پسند فرماتے ہیں۔[1] یعنی ایک، تین، پانچ، سات۔یہ وتر اعداد ہیں۔وتر چیزوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔اسی لیے ہم نماز میں تین مرتبہ، پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ "سبحان ربی الاعلیٰ" پڑھتے ہیں۔وتر تعداد ہوتی ہے۔ اللہ نے سات زمینیں بنائیں، سات آسمان بنائے اور سات جنتیں بنائیں۔تو دیکھو! سات سات سب وتر ہیں۔کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو وتر پسند ہے۔وہ چار یا چھ لونگ لے کر آ گیا تو امام ربانی مجدد الف ثانی نے جب دیکھا تو فرمایا: دیکھو! سالک بنے پھرتے ہیں، اور انہیں اتنا بھی پتہ نہیں کہ نبی علیہ السلام وتر چیز کو پسند فرماتے تھے۔یعنی تم نے اگر لونگ بھی لانے تھے تو تین لاتے یا پانچ لاتے۔تعداد وتر ہوتی، سنّت کے مطابق ہوتی اس پر بھی اجر ملتا۔

اب آپ بتائیے! یہ کتنی چھوٹی سی بات ہے۔اس چھوٹی سی بات میں بھی اگر ہمارے مشائخ سنّت کی پیروی کی تعلیم دیتے ہیں تو پھر بڑے اعمال میں سنّت کی کتنی پیروی کرتے ہوں گے! اسی لیے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں جو بندہ چاہے کہ مجھے نور ملے تو اس کو چاہیے کہ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک نبی علیہ السلام کی سنتوں کا پابند ہو جائے۔

---

[1] صحیح البخاری، حدیث ۶۴۱۰، باب: للہ مائۃ اسم غیر واحد

اپنے ہر عضو کو سنّت سے سجالے، سنّت کا عاشق بن جائے اور سنّت کا شیدائی بن جائے، اللہ تعالیٰ اس کو اس کے دل میں نسبت کا نور عطا فرمادیں گے۔ علماء نے لکھا ہے کہ پہلے ادب آتا ہے، پھر انسان میں محبت بڑھ جاتی ہے اور پھر انسان میں اتباع آتی ہے جس انسان میں ادب نہ ہو اس کو محبت نہیں ملتی، وہ محبت سے محروم ہو جاتا ہے اور جس کو محبت نہ ہو اس کو اتباع نصیب نہیں ہوتی اور محبت کا دعویٰ اتباع کے بغیر جھوٹا ہوتا ہے۔ محب (محبت کرنے والا) جس سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے اس کا مطیع اور فرماں بردار ہوتا ہے تو نبی علیہ السلام کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ہر کام میں نبی علیہ السلام کی سنّت کی پیروی کرنے والے بن جائیں۔

فائدہ (۴) علماء کے آگے بھی تقدم جائز نہیں

اور یہ تقدم جس طرح نبی علیہ السلام کے سامنے جائز نہیں، جو ان کے نائب ہیں ان کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ جیسے فرمایا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کے سامنے تم تقدم نہ کرو، آگے نہ بڑھو۔ نہ آواز میں، نہ قول میں، نہ فعل میں، کسی کام میں تم آگے نہ بڑھو، حتیٰ کہ چلنے پھرنے میں بھی ان سے پہل نہیں کرنی۔ اگر چلنا ہوگا تو ان کے پیچھے چلیں گے، آگے نہیں چل سکتے۔ تو یہی آداب نبی علیہ السلام کے ورثاء علماء کے لیے بھی ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ابو درداءؓ سیّدنا صدیقؓ سے آگے چل رہے تھے تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: ابو درداء! سورج کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو ابوبکر پر فضیلت رکھتا ہے اور تم اس سے آگے چل رہے ہو؟ تو ابو درداءؓ نے پھر پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ [۱]

طلبہ کے لیے نکتہ ہے کہ حدیث جبرئیل میں جب جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے نبی علیہ السلام سے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ تو نبی علیہ السلام نے فوراً جواب نہیں دیا۔ فرمایا کہ جس سے پوچھا گیا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ [۲]

حالاں کہ نبی علیہ السلام کے پاس تو علم الاوّلین والآخرین تھا، اتنے علم کے باوجود اللہ کے حبیب ﷺ نے جبریل علیہ السلام کے علم کی قدر کی اور یہ الفاظ فرما دیے، ورنہ ان

---

[۱] السیرۃ الحلبیۃ: ۲/۵۶ [۲] صحیح البخاری، رقم: ۵۰، باب: سؤال جبریل النبی ﷺ عن الایمان

الفاظ کو کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ان الفاظ کا کہنا اس بات کی دلیل تھی کہ نبی علیہ السلام نے اس آیت پر عمل کر کے دکھا دیا۔ اس لیے ہمارے اکابر فتویٰ دیا کرتے تھے، لیکن جب کسی اعلم (بڑے عالم) کا فتویٰ آ جایا کرتا تھا تو اپنے قول سے رجوع کر لیا کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اب میں بات نہیں کر سکتا کہ چوں کہ مجھ سے بڑے عالم نے بات کر دی ہے۔ تو علماء کے اکرام کا دل میں ہونا اور ان کی تعظیم دل میں ہونا وہ اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے۔

چناں چہ عام آدمی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی عالم کے سامنے بات کرے۔ اس لیے کہ وہ نبی علیہ السلام کا وارث ہے، ان کا نائب ہے۔ عالم سے بات کرتے ہوئے ہمیشہ تمیز سے بات کرنی چاہیے اور اگر وہ بات کر دیں تو خاموش ہو جانا چاہیے۔ کچھ نوجوان بچوں کو دیکھا ہے کہ انگریزی تعلیم یافتہ ہوتے ہیں، ان کو ٹرٹر کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ چناں چہ علماء کے ساتھ بحث مباحثہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں ان تمام عقل والوں کو تنبیہ کر دی گئی کہ تم اپنی اوقات میں رہو، خبردار! تم علماء کے سامنے گفتگو مت کرو۔ جب انہوں نے شریعت کا حکم بتا دیا تو بس تسلیم کر لیں، سر جھکا دیں اور مان لیں جو وہ کہہ رہے ہیں۔

علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی مجلس میں بیٹھے ہوئے ہوں اور وہاں کوئی عالم بھی بیٹھے ہیں تو جب تک وہ گفتگو نہیں کرتے تم از خود گفتگو کا آغاز مت کرو، یہ بھی تقدّم ہوگا۔ انتظار کرو، خاموش بیٹھے رہو۔

فائدہ (۵) مرید اپنے شیخ کے سامنے تقدّم نہ کرے

اس آیت میں سالکین کے لیے بھی یہ سبق موجود ہے کہ اپنے شیخ کے سامنے خاموش اور مؤدّب رہیں۔ ہمارے اکابر گھنٹوں خاموش رہتے تھے اور ان کے شاگرد ان کے سامنے خاموش بیٹھے رہتے تھے، کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ آج کل تو مزاج ہی بگڑ چکے ہیں۔ کہتے ہیں: جی! ہم آئے تھے اور ہم سے انہوں نے بات ہی کرنا پسند نہیں کی۔ حالاں کہ علماء نے لکھا ہے کہ شیخ کے خاموشی میں سالک کو زیادہ فیض ملتا ہے بہ نسبت شیخ کے تکلم کے۔ اور اسی آیت میں یہ مسئلہ بھی شامل ہے کہ بعض سالکین آ کر پوچھتے ہیں: حضرت! میں اگلا سبق شروع کر دوں؟ حالاں کہ آداب یہ ہیں کہ جو سبق آپ کر رہے ہیں، آئیں اور

اس سبق کی کیفیات بتائیں، اس سبق پر میری یہ کیفیات ہیں، میں اتنا کرتا ہوں۔ اگر اس کے بعد وہ خود کہیں کہ اگلا سبق پڑھ لوتو اگلا سبق پڑھ لو اور اگر وہ خاموشی اختیار کریں تو اس کا مطلب ہے اس سبق کو اور مضبوط کرنے کی ضرورت ہے، لہٰذا اور محنت کریں۔ مواقع ڈھونڈتے رہیں کہ کسی موقع پر ہم کہیں گے تو حضرت کہہ دیں گے: ہاں!! اچھا اگلا سبق پڑھ لو۔ لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ میں یہ چیز بھی شامل ہے۔

فائدہ (۶) اپنی رائے کو شرع پر مقدم نہ کریں

آج کل کا ایک فتنہ یہ ہے کہ ٹی وی پروگرامز میں بعض اینکرز حضرات اور بعض نام نہاد دانشور دینی امور میں قوم کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے نظر آتے ہیں۔ بعض سیاست دان بھی خالصتاً دینی معاملات پر اپنا فلسفہ بیان کررہے ہوتے ہیں۔ یاد رکھیں دینی امور میں اور دینی مسائل میں کسی بے علم آدمی کا اپنی رائے اور اپنا فلسفہ پیش کرنا، یہ بھی تقدم میں داخل ہے۔ اس بارے میں اللہ سے ڈرنا چاہیے۔

ان لوگوں کا بنیادی مرض ہے اپنی رائے کو شریعت پر مقدم کرنا۔ دین اور شریعت کا علم حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، ان سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حاصل کیا اور ان سے آگے مفسرین، محدثین اور علمائے ربانیین نے علم سیکھا اور سکھایا۔ اور یہ سلسلہ آج تک چلا آرہا ہے۔ چناں چہ علماء، علوم نبوی علیہ السلام کے حقیقی وارث ہیں اور دینی امور میں رہنمائی کے لیے ان سے ہی رجوع کرنا چاہیے۔ وہ لوگ جنہوں نے علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو باقاعدہ نہیں سیکھا، ان کو دینی موضوعات پر اپنی آراء دینے کی کوشش نہیں کرنا چاہیے۔ قاعدے کی بات تو یہی ہے کہ جس قسم کے امور پر ہمیں کوئی رہنمائی درکار ہوتی ہے، اس کے لیے ہمیں اسی کے ماہر سے رجوع کرتے ہیں۔ اگر ہمیں اپنی صحت کے حوالے سے تشویش ہے تو ہمیشہ ڈاکٹر سے رجوع کرتے ہیں۔ انجینئرنگ کا کوئی مسئلہ ہو تو کسی انجینئر سے رائے لیتے ہیں۔ کاشتکاری کا کوئی مسئلہ ہو تو زرعی ماہرین سے پوچھتے ہیں۔ اسی طرح دینی امور میں بھی دینی علوم کے ماہر یعنی علمائے کرام سے ہی رہنمائی لی جائے گی اور ان کی بات ہی مستند سمجھی جائے گی۔ اس لیے اس بارے میں ایسی جرأت کرنے والوں اور ان کو سننے والوں دونوں کو

محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

صحابہ کرامؓ کی تربیت اور تادیب

صحابہ کرامؓ اسلام سے پہلے اَن پڑھ اور خود سر لوگ تھے، ان کے ہاں لڑائی جھگڑا معمولی بات تھی۔ جو لڑائی والا بندہ ہو اور اس کے پاس طاقت بھی ہو تو وہ دوسرے کی بات نہیں سنتا۔ ان لوگوں کو ادب سکھانا، ایک مشکل کام تھا۔ اللہ رب العزت نے اس ایک ہی آیت میں ان تمام لوگوں کو ایسی بات کہی کہ سب کے سر جھک گئے۔ پھر وہ نبی علیہ السلام کے سامنے کسی بات پر تقدم نہیں کیا کرتے تھے۔ مطلب یہ تھا کہ اگر محفل میں بیٹھے ہوئے ہیں تو جب تک نبی علیہ السلام خود کلام نہ فرمائیں تم بات شروع نہ کرو کہ تم اللہ کے محبوب ﷺ کی صحبت میں بیٹھے ہو۔ اگر کوئی اپنی طرف سے آ کر ادھر کی بات چھیڑ دے، کوئی ادھر کی چھیڑ دے تو تماشا بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو تمیز سکھا دی کہ آنا ہے تو آ کر ادب سے بیٹھ جاؤ۔ میرے محبوب جو سمجھائیں سمجھ لینا، جو سنائیں سن لینا اور اگر وہ کچھ نہ کہیں تو خاموش بیٹھے رہنا، تمہیں بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی کام کرنا ہو تو تمہیں پہل کی اجازت نہیں ہے، جو کرنا ہے نبی علیہ السلام کے بعد کرو۔ یہ اللہ کی طرف سے واضح ہدایات تھیں۔

اس لیے پھر جہاں تقدم ہوا وہاں نقصان ہوا اور جہاں صحابہ کرامؓ نے نبی علیہ السلام کی اتباع کی اور ان کے پیچھے چلے تو وہاں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوئی۔

مثال (۱)

جب جنگ احد کا موقع پیش آیا تو نبی علیہ السلام نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ مکہ کے لوگ مدینہ والوں پر حملہ کرنے کے لیے آ رہے ہیں، اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ تو چند نوجوان صحابہ جو جوشیلے تھے اور جو بدر کی فضیلت سے واقف ہو چکے تھے، مگر ان کو بدر میں حصہ لینے کا موقع نہیں ملا تھا، وہ بہت جذبے میں آ گئے۔ کہنے لگے: اے اللہ کے نبی ﷺ! اگر وہ ہم سے جنگ کرنے کے لیے آ رہے ہیں تو ہمیں بھی مدینہ سے نکل کر باہر جنگ کرنی چاہیے۔ نبی علیہ السلام خاموش رہے۔ اللہ کے محبوب ﷺ کی اپنی منشا یہ تھی

کہ مدینہ میں رہ کر جنگ کی جائے اور جو سنجیدہ لوگ بڑی عمر کے معمر لوگ تھے ان کی بھی یہی رائے تھی کہ شہر میں رہ کر جنگ کی جائے تو ہمارا فائدہ ہے۔ مگر نوجوان صحابہ نے کہا کہ نہیں! اگر وہ آرہے ہیں تو ہم تو دین کا دفاع کریں گے اور اپنی مال اور جان کی حفاظت کریں گے اور ہم بھی باہر نکل کر ان سے لڑیں گے۔ ان کے اس مشورے کو سن کر اللہ کے حبیب ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور جب گھر میں تشریف لے گئے تو اس دوران جو بڑی عمر کے صحابہ تھے، انہوں نے نوجوان صحابہ کو سمجھایا کہ دیکھو بھئی! وہ تو اپنے گھروں کو چھوڑ کر چار سو میل دور آ ہی رہے ہیں، ہم بھی اپنے گھروں کو چھوڑ کر نکل پڑے تو ہم بھی ان کی طرح مسافر ہی بن جائیں گے۔ بھلے ہم چند میل دور ہی ہوں، مگر ہوں گے تو گھر سے دور ہی۔ تو جیسے وہ مسافر ویسے ہم مسافر۔ اور دوسری بات کہ ہم اگر مدینہ کو خالی چھوڑ کر چلے جائیں تو مدینہ کے قریب جو یہودی ہیں یہ کوئی ہمارے سجن تو نہیں، ساتھی تو نہیں، یہ ہمارے دشمن ہیں۔ ہوسکتا ہے یہ ہمارے پیچھے مدینہ کو خالی پا کر مدینہ پر حملہ کریں اور ہماری خواتین اور بچوں کو نقصان پہنچائیں۔ تو اس وقت نوجوان صحابہ نے محسوس کیا کہ ہاں واقعی! باہر نکل کر لڑنے کے بجائے گھر میں رہ کر لڑنا ہمارے لیے زیادہ بہتر تھا۔

اتنے میں اللہ کے حبیب ﷺ باہر تشریف لائے تو صحابہ نے دیکھا کہ نبی علیہ السلام نے زرہ پہنی ہوئی تھی اور ایک ہاتھ میں تلوار تھی اور نیزہ بھی تھا۔ اب اس پر وہ نوجوان صحابہ کہنے لگے: اے اللہ کے حبیب ﷺ! اگر آپ مناسب سمجھیں تو ہم باہر نکل کر لڑنے کے بجائے یہیں رہ کر لڑتے ہیں تو پھر نبی علیہ السلام نے فرمایا: ایک نبی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ جب وہ زرہ پہن لے تو جنگ کیے بغیر زرہ کو اتار دے۔ چناں چہ اللہ کے حبیب ﷺ مدینہ کو چھوڑ کر احد میں تشریف لے گئے۔ احد مدینہ سے میل دو میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں آ کر جنگ ہوئی اور اس جنگ میں مسلمانوں کا زیادہ نقصان ہوا۔ ۷۰ رصحابہ شہید ہوئے اور بڑے بڑے صحابہ شہید ہوئے۔ جن میں سیدنا امیر حمزہؓ بھی تھے۔ تو بعد میں صحابہ نے دیکھا کہ واقعی! جو تقدم تھا اس کی وجہ سے بہت نقصان ہوا، ہمیں وہی کرنا چاہیے تھا جو اللہ کے محبوب ﷺ کی منشا تھی۔ ہم نے بس تسلیم کرنا تھا کہ ”لبیک یا

رسول اللہ" جو آپ فرمائیں اسی میں خیر ہوگی۔ پھر اس کے بعد صحابہؓ پوری زندگی ہر معاملے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی جواب دیتے تھے کہ جو آپ فرمائیں گے وہی ہوگا۔ [1]

مثال (۲)

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی علیہ السلام نے جب خطبہ دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ آج کون سا دن ہے؟ اب حج کرنے والا میدانِ عرفات میں ہو تو کیا اس کو پتہ نہیں ہوتا کہ آج کون سا دن ہے؟ پتا ہے کہ عرفہ کا دن ہے، حج کا دن ہے، لیکن صحابہؓ نے آگے سے جواب نہیں دیا، بلکہ کہا کہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں؛ اس لیے کہ صحابہ کی تربیت ہو چکی تھی، ان کو پتہ چل چکا تھا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ جگہ کون سی ہے؟ جانتے تھے کہ یہ میدانِ عرفات ہے، ہم یہاں پر ہیں، مگر جواب دیا: وہ جو اللہ نے ان کو بات سمجھائی، وہ صحابہ نے سیکھی اور اس کا عملی مظاہرہ بھی کیا۔ [2]

مثال (۳)

ایک ایسا بھی وقت آیا کہ جب منافقین نے سیّدہ عائشہ صدیقہؓ پر بہتان لگایا اور اتنا پروپیگنڈا کیا، اتنا کہ جو سادہ لوگ تھے وہ بھی جھوٹ کو سچ سمجھنے لگ گئے۔ حضرت حسانؓ جو نعت خوانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، ان کے اوپر بھی اس پروپیگنڈے کا اثر ہو گیا اور وہ بھی سمجھنے لگے کہ شاید اس میں حقیقت ہوگی۔ حضرت مسطحؓ ایک صحابی تھے، سیّدنا صدیق اکبرؓ کے رشتے دار بھی تھے، ان کے اوپر بھی اس کا اثر آ گیا، وہ بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے تھے۔ اس موقع پر ایک مہینہ ایسا گزرا کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وقت گزارنا مشکل ہو گیا تھا۔ پورے شہر میں باتیں بنی ہوئیں تھیں۔ کیا مرد کیا عورتیں، ہر ایک کی زبان پر یہی بات، اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بہت غم زدہ تھے۔ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ کیا میں اپنے والدین کے گھر جا سکتی ہوں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ [3]

---

[1] مغازی الواقدی: ۱/ ۲۰۹، ۲۱۴، غزوۂ اُحد [2] صحیح البخاری، رقم: ۴۴۰۶، باب حجۃ الوداع
[3] سیرۃ ابن ہشام: ۲/ ۲۹۹

میں اپنے والدین کے گھر آ گئی۔ میں نے دیکھا کہ میرے والد ابو بکر صدیق ؓ چارپائی پر بیٹھے تھے اور قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے اور رو رہے تھے۔ واقعی! غم کے حال میں اور مصیبت کی حالت میں قرآن مجید ہی ہے جو بندے کے دل کو تسلی دیتا ہے۔ میری والدہ بھی اسی طرح گھر کے کام کر رہی تھیں، مگر رو رہی تھیں۔ فرماتی ہیں کہ میں بیمار تھی، بخار تھا اور کمزور ہو رہی تھی تو میں چارپائی پر آ کر بیٹھ گئی۔ [۱]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ پوچھا: بھئی! یہ جو ایک فتنہ پھیلا ہوا ہے، ہر زبان پر یہی بات ہے، دل بہت دکھی ہے، اس بارے میں تم بتاؤ کیا کہتے ہو؟ تو سیدنا عمر ؓ نے سنتے ہی کہہ دیا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بہتانِ عظیم ہے۔ پھر حضرت عثمان غنی ؓ سے پوچھا تو حضرت عثمان غنی ؓ نے جواب دیا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ نہیں بنایا [۲]: اس لیے کہ کسی

---

[۱] السیرۃ الحلبیۃ: ۲۵۷/۴

[۲] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا یا نہیں، یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے، جس میں راجح قول کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا، یہی اصل ہے، عوام میں جو مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا یہ کسی صحیح وصریح روایت سے ثابت نہیں ہے، اس کے برخلاف احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی علیہ الرحمہ کا رسالہ "مأمول المقبول فی ظل الرسول" (فتاویٰ دار العلوم دیوبند (امداد المفتیین) 2/258، ط: دارالاشاعت) اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کی امداد الفتاویٰ 5/405، ط: مکتبہ دار العلوم کراچی۔ اس سلسلے میں دار العلوم دیوبند کا ایک فتویٰ بھی پیش خدمت ہے:

سوال: کیا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر پڑتا تھا اور گنبد خضراء کا سایہ نہیں ہے؟ براہ کرم، اس پر روشنی ڈالیں۔

جواب (فتویٰ 36945 (ل): 520=246-3/1433) جی ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر پڑتا تھا، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ایک واقعہ نقل کیا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوپہر کے وقت تشریف لانا، اور آپ کے سایہ مبارک کا ہونا صاف مذکور ہے۔ قالت: بینما أنا یوما بنصف النهار إذا أنا بظل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقبل (مسند أحمد: ۱۳۲/۶) نیز حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک روایت "حادی الأرواح إلی بلاد الأفراح" میں ہے جس میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ مبارک کو خود ملاحظہ فرمانا منقول ہے، یہ دونوں روایتیں مرفوع ہیں۔ اسی طرح گنبد خضرا کا بھی سایہ ہے جو مشاہدہ کرنے والوں پر مخفی نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (دار الافتاء، دار العلوم دیوبند) ب، ا، ق

کے پاؤں آپ کے سائے کے اوپر نہ آجائیں۔تو جس پروردگار کو آپ کی اتنی بھی بے ادبی پسند نہیں ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کے اہل خانہ کے ساتھ کوئی بدکاری کا مرتکب ہوجائے؟ یہ غلط ہے۔ نبی ﷺ کے دل کو اور تسلی ہوگئی۔ پھر اس کے بعد حضرت علیؓ کی باری آئی، نبی ﷺ نے ان سے پوچھا تو سیّدنا علیؓ نے جواب دیا: اے اللہ کے حبیب ﷺ! ایک دفعہ آپ کے نعلین کو نیچے سے کوئی نجاست لگ گئی تھی اور آپ اس کو پہننا چاہتے تھے، ایک کوا آیا تھا اور اس نے آپ کے نعلین کو اٹھا کر پھینک دیا تھا۔تو جب پروردگار نے ایک ایسا جوتا آپ کو نہیں پہننے دیا جس کے ساتھ ناپاکی لگی ہوئی تھی تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کے اہلِ خانہ کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ پیش آئے؟ اس پر نبی ﷺ کے دل کو اور تسلی ہوگئی، مگر آپ اس وقت خاموش تھے۔ اب آپ ﷺ چوں کہ خاموش تھے، حضرت علیؓ نے آپ ﷺ کا دل رکھنے کے لیے اگلی بات کر دی۔ اے اللہ کے حبیب ﷺ! آپ کو عورتوں کی کمی تو نہیں ہے۔ اگر آپ کی اہلیہ پر الزامات لگائے گئے ہیں تو آپ ان کے بجائے کسی اور کے ساتھ بھی نکاح کر سکتے ہیں، یہ کوئی ایسی بات تو نہیں ہے۔ [1]

یہ وہ فقرہ تھا کہ امّ المومنین فرماتی ہیں کہ جس کا قلق مجھے پوری زندگی محسوس ہوتا رہا، ان کو میرا ساتھ دینا چاہیے تھا۔ انہوں نے یہ بات آخر کیوں کہی؟ پھر نبی ﷺ حضرت عمرؓ کی طرف متوجہ ہوئے، چوں کہ عمرؓ ان میں سب سے زیادہ ہمت والے تھے اور سب سے زیادہ جرأت والے تھے۔ پوچھا کہ عمرؓ تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟ تو عمرؓ نے اس وقت بہت خوب صورت بات پوچھی۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے حبیب ﷺ! مجھے آپ یہ بتائیے کہ آپ نے جو عائشہ صدیقہؓ سے نکاح کیا، اپنی مرضی سے نکاح کیا یا اللہ کی مرضی سے نکاح کیا؟ اب نبی ﷺ کی طبیعت پر غم طاری تھا تو نبی ﷺ نے انگلی آسمان کی طرف کر دی کہ مجھے جبریل علیہ السلام نے آکر کہا تھا، اللہ نے نکاح کیا تھا۔ میری پسند نہیں تھی، اللہ کی پسند تھی۔ جب نبی ﷺ نے یہ فرمایا تو عمرؓ تلوار لے کر کھڑے ہوگئے۔ کہنے لگے: اے اللہ کے حبیب ﷺ! اگر اللہ کی پسند تھی تو اللہ آپ کے لیے کبھی کسی ایسی عورت کو پسند کر

---

[1] سیرۃ ابن ہشام: ۲/۳۰۱

سکتے ہیں کہ جس پر الزام لگے۔ آپ بات ہم پر چھوڑ دیں اور ان منافقین پر چھوڑ دیں، ہم ان کو جینے نہیں دیں گے۔ اب قریب تھا کہ یہ آگ بھڑک اٹھتی اور مسلمان جذبات میں آ جاتے، نبی ﷺ نے مجلس کو برخاست فرما دیا اور وہاں سے ابوبکر صدیق ؓ کے گھر آ گئے۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ ہمارے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا تو میری والدہ نے دروازہ کھولا۔ نبی ﷺ اندر تشریف لے آئے اور ایک چارپائی کے اوپر آ کر بیٹھ گئے۔ میری والدہ نے مجھے آواز دی کہ عائشہ! اللہ کے محبوب ﷺ تشریف لائے ہیں، آؤ سلام کرو۔ میں آئی اور میں نے سلام کیا اور میں چارپائی پر ساتھ بیٹھ گئی۔ تو نبی ﷺ نے سیدنا صدیق اکبر ؓ سے پوچھا: اے ابوبکر! تم اپنی بیٹی کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اب آپ سوچیے! کسی باپ سے بھی اپنی بیٹی کے بارے میں پوچھا جائے؟ وہ باپ ہمیشہ صفائی دیتا ہے، میری بیٹی نیک ہے، میں نے تربیت بہت اچھی کی ہے اور میری بیٹی تو بہت ہی تربیت یافتہ ہے۔ وہ بیٹی کی ہمیشہ صفائی ہی پیش کرتا ہے، مگر اس وقت سیدنا صدیق اکبر نے ایسا کوئی جواب نہیں دیا۔ انہوں نے آگے سے کہا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ پھر نبی ﷺ نے والدہ سے پوچھا کہ تم اپنی بیٹی کے بارے میں کیا کہتی ہو؟ کون ماں ہے جو اپنی بیٹی کی صفائیاں پیش نہ کرے؟ پوری دنیا صفائیاں پیش کرتی ہے۔ وہ بھی کر سکتی تھیں، مگر چونکہ انہوں نے ادب سیکھ لیا تھا، اس لیے جب نبی ﷺ نے پوچھا تو انہوں نے بھی جواب دیا۔ اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔

پھر نبی علیہ السلام سیّدہ عائشہ صدیقہ ؓ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: عائشہ! اگر تم سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو تم استغفار کرو، اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کرنے والے ہیں۔ آپ اندازہ لگائیے کہ پورے شہر کے اندر بات پھیلی ہوئی ہے، اتنی بدنامی! اتنی ذلت! مگر محبوب ﷺ کی تحمل مزاجی کا اندازہ لگائیے کہ آپ نے صرف اتنی بات کہی: عائشہ! اگر تم سے کوئی غلطی ہو گئی ہے، تم استغفار کرو۔ اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اگر غلطی نہیں ہوئی تو تم ہمیں بتاؤ، کوئی دلیل دو، تاکہ ہمیں بھی سمجھ آئے۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ مجھے بخار بھی تھا، میں کمزور بھی تھی اور میں لیٹی ہوئی تھی، مگر نبی ﷺ نے پوچھا تو پتہ نہیں میرے

اندر کہاں سے ہمت آ گئی؟ میں اٹھ کر بیٹھ گئی اور اس وقت میں نے یہ بات کہی کہ آپ لوگوں نے اتنی باتیں سنی ہیں، اتنی باتیں سنی ہیں کہ آپ کے ذہنوں میں کچھ باتیں بیٹھ چکی ہیں، میں اپنی صفائی بھی پیش کروں گی تو آپ کی طبیعت شاید اس کو قبول نہ کرے، اس لیے میں اپنی صفائی پیش نہیں کرتی۔ میں وہی کہتی ہوں جو ابو یوسف (حضرت یعقوب علیہ السلام) نے کہا تھا۔ فرماتی ہیں کہ میں جذبات کی وجہ سے اس وقت یعقوب علیہ السلام کا نام ہی بھول گئی، میں نے ان کو کہا: جو ابو یوسفؑ نے کہا تھا، یوسف علیہ السلام کے والد نے کہا تھا:

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿١٨﴾ [1]

تو میں نے کہا کہ میں بھی یہی کہتی ہو کہ اب صبر ہی بہتر ہے اور اللہ ہی سے مدد مانگی جاتی ہے اس بات پر جو لوگ بیان کرتے ہیں۔ جب عائشہؓ نے یہ جواب دیا تو نبی ﷺ کے اوپر وحی [2] کی کیفیت طاری ہوگئی اور نبی ﷺ نے اپنے اوپر یکسوئی کے لیے ایک

---

[1] یوسف: ۱۸

[2] آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف طریقوں سے وحی نازل ہوتی تھی، صحیح بخاریؒ کی ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبھی تو مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے، اور وحی کی یہ صورت میرے لیے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے، پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو جو کچھ اس آواز نے کہا ہوتا ہے، مجھے یاد ہو چکا ہوتا ہے، اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک مرد کی صورت میں آ جاتا ہے۔ وحی کی دوسری صورت یہ تھی کہ فرشتہ کسی انسانی شکل میں آپ ﷺ کے پاس آ کر اللہ کا پیغام پہنچا دیتا تھا، ایسے مواقع پر عموماً حضرت جبریل علیہ السلام مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے، البتہ بعض اوقات کسی دوسری صورت میں بھی تشریف لائے ہیں، بہرکیف؛ جب حضرت جبریل انسانی شکل میں وحی لے کر آتے تو نزولِ وحی کی یہ صورت آں حضرت ﷺ کے لیے سب سے آسان ہوتی تھی۔ وحی کی تیسری صورت یہ تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام کسی انسان کی شکل اختیار کیے بغیر اپنی اصلی صورت میں دکھائی دیتے تھے۔ چوتھی صورت براہِ راست اور بلا واسطہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہم کلامی کی ہے، یہ شرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری کی حالت میں صرف ایک بار، یعنی معراج کے وقت حاصل ہوا ہے، البتہ ایک مرتبہ خواب میں بھی آپؐ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں۔ وحی کی پانچویں صورت یہ تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام کسی بھی صورت میں سامنے آئے بغیر آپؐ کے قلبِ مبارک میں کوئی بات القاء فرما دیتے تھے، اسے اصطلاح میں "نفث فی الروع" کہتے ہیں۔ (مقدمہ معارف القرآن جلد اوّل، مع تلخیص۔ ب، ا، ق)

چادر لے لی۔ عائشہؓ فرماتی ہیں: اس وقت میں نے اپنی والدہ کو دیکھا تو وہ رو رہی تھیں، میں نے اپنے والد کو دیکھا تو وہ بھی رو رہے تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ وحی اتری ہے تو ہماری بیٹی کے بارے میں کیا بتایا جائے گا؟ مگر تھوڑی دیر کے بعد نبی ﷺ نے جب کپڑا ہٹایا تو میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ کا چہرہ بہت تمتما رہا تھا۔ جیسے چودھویں رات کا چاند روشن ہوتا ہے، اس طرح نبی ﷺ کا چہرہ روشن تھا اور نبی ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! تجھے مبارک ہو! اللہ تعالیٰ نے عرش کے اوپر سے تمہارے لیے برأت کی آیات [1] نازل فرمادی ہیں۔ [2]

مثال (۴)

نبی ﷺ نے حضرت علیؓ کو منع کر دیا تھا کہ علی! فاطمہ کی موجودگی میں تم دوسرا نکاح نہیں کر سکتے۔ حالاں کہ ۴ شادیوں کی اجازت ہے، لیکن منع کیوں فرمایا؟ اس لیے کہ اگر وہ نکاح کریں گے تو جو سوکن آئے گی تو وہ ایک دوسرے کے والدین پر طعن کرتی ہیں تو آنے والی حضرت فاطمہؓ پر طعن کرے گی تو وہ کس پر جائے گی؟ نبی ﷺ پر جائے گی اور یہ کفر ہوگا۔ اس لیے منع فرمادیا۔ [3]

دیکھیں! یہ تھی صحابہ کرامؓ کی تربیت کہ اللہ تعالیٰ نے ایک آیت ان کو عطا فرمائی: لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ اور ان کی پوری زندگی اس کے اوپر آگئی تھی۔

فائدہ (۷) تقدّم کے معاملے میں اللہ سے ڈرنا چاہیے

پھر آگے فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

پہلے ''بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ'' کہا جس کا مطلب ہے کہ جو کوئی بھی ہے وہ اللہ کے سامنے ہے۔ اب یہ جو ''وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ'' کا لفظ ہے یہ ڈرا دیتا ہے؛ کیوں کہ تقدّم پہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم اللہ سے ڈرو۔ اللہ کا تصور کرکے کہ وہ احکم الحاکمین ہے، خالقِ کائنات ہے اور مالکِ کائنات ہے۔ بندے اللہ کے قبضے میں ہیں، اُس کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ اللہ کا انتقام

---

[1] آیاتِ برأت اور مکمل واقعۂ افک سورۂ نور کے دوسرے رکوع میں موجود ہیں۔ (ب، ا، ق)

[2] سیرۃ ابن ہشام: ۲/۳۰۱، ۳۰۲

[3] صحیح البخاری، رقم: ۳۷۲۹، باب ذکر اصہار النبی ﷺ، صحیح مسلم، رقم: ۲۴۴۹

کوئی سہہ نہیں سکتا۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جو تقویٰ ہے، یہ جیل ہے کہ بندہ جیل کے اندر بند ہو جاتا ہے۔ یہ کھا نہیں سکتے، یہ پی نہیں سکتے، یہ بول نہیں سکتے اور یہ دیکھ نہیں سکتے۔ پابندیاں ہی پابندیاں ہیں۔ تو علماء نے لکھا ہے کہ ایک ہوتی ہے جیل اور ایک ہوتا ہے قلعہ۔ قلعے اور جیل میں فرق ہوتا ہے۔ جیل میں قیدی کو اندر بند کر کے باہر سے تالہ لگا دیا جاتا ہے، تاکہ اس قیدی کے شر سے لوگ بچ سکیں اور قلعے میں لوگ اپنے آپ کو بند کر کے اندر سے تالہ لگا دیتے ہیں کہ باہر کے لوگوں کے شر سے میں بچ جاؤں۔ تو تقویٰ جیل نہیں، تقویٰ مومن کے لیے ایک قلعہ ہے، جو اس کو شیطان کے داؤ سے بچا لیتا ہے۔ اس لیے تقویٰ کی پابندیاں مجبوری نہیں سمجھنی چاہئیں، خوشی سے اس پر عمل کرنا چاہیے کہ اس کے ذریعے سے ہمیں اللہ کا قرب ملے گا اور ہم اللہ کے مقرب بن جائیں گے۔

سبقت کرنے والے کو اللہ خوب جانتے ہیں

آگے فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ①

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے دو نام استعمال فرمائے ہیں: سَمِيعٌ اور عَلِيمٌ۔ مفسرین نے ایک اور نکتہ بتایا ہے کہ جن آیات کے آخر پر اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء (ناموں) کا تذکرہ کیا ہے۔ ان اسماء کے معانی میں غور کیا کرو، آیات کے معانی خود بخود سمجھ میں آجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر "سَمِيعٌ" اور "عَلِيمٌ" دو نام استعمال فرمائے۔ مطلب کیا ہے کہ اگر تم تقدم کرو گے تو یہ نہیں کہ تم سمجھو کہ میں نے تو بات کر دی تھی کسی اور نے سنی ہی نہیں، اللہ سمیع ہے (سننے والا ہے)۔ تو کوئی بات ایسی تو نہیں ہو سکتی کہ انسان کرے اور اللہ نہ سنے۔ اللہ سننے والا ہے لہٰذا تم تنہائی میں بھی کوئی ایسی بات میرے محبوب کے سامنے نہیں کر سکتے۔ سمجھو کہ کوئی نہیں تھا تو میں نے ان کے سامنے یہ بات کر دی۔ اللہ نے فرمایا: اللہ سن رہا ہوگا تم جو بات کرو گے۔

اور کئی مرتبہ انسان بات کر دیتا ہے، جب پکڑا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ میں نے کہا تو تھا، لیکن میرا مطلب یہ تھا۔ انسان آگے اس کو Justify (واضح) کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو اللہ نے "عَلِيمٌ" کا لفظ بھی استعمال فرما دیا کہ دیکھو! اگر تم

کچھ بولو گے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ تمہاری نیتوں کا اللہ کو پتہ نہیں، اللہ تعالیٰ تمہاری نیتوں کو بھی جانتے ہیں کہ تم نے کس نیت سے یہ بات کی؟ اللہ کو سب معلوم ہے۔ ان دو لفظوں نے اس مضمون کو اور زیادہ مضبوط کر دیا۔

یہ قرآن مجید کی ایک آیت تھی، اللہ تعالیٰ ہمیں اس آیت کے معانی اور اس کے تقاضے کے اوپر زندگی بھر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝
''اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ ایسے بلند آواز سے رسول سے بات کیا کرو جیسا کہ تم ایک دوسرے سے کیا کرتے ہو۔ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو''

فائدہ (۸) بارگاہِ نبوت میں آواز بلند کرنا منع ہے

فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

تم نے اگر میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنی ہے تو اونچی آواز سے بات نہ کرو۔ عام طور پر جب کوئی بدتمیزی کرتا ہے تو اونچی آواز میں بولتا ہے، تڑخ کے بولتا ہے۔ ان کو سمجھا دیا گیا کہ تم عرب کے سردار ہو، بگڑے ہوئے ہو، جاہل ہو اور تم میں تمیز نہیں ہے، لیکن ہم تمہیں یہ تمیز سکھا رہے ہیں کہ تم جس سے بات کر رہے ہو وہ میرے محبوب ہیں، تم ان کے ساتھ اونچی آواز سے بات نہیں کر سکتے۔

اس سے پچھلی آیت میں ''لَا تُقَدِّمُوْا'' کا حکم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نہ بڑھو۔ اس میں فعل کی طرف اشارہ ہے اور اس آیت میں ''لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ'' کا حکم ہے کہ تمہاری آواز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ ہو۔ اس میں قول کی طرف اشارہ ہے، یعنی قول و فعل دونوں صورتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کو ملحوظ رکھا جائے اور سبقت نہ کی جائے۔

آواز کی برابری بھی منع ہے

اب یہاں کسی طالب علم کے ذہن میں بات آسکتی ہے کہ اللہ نے تو آواز بلند نہ کرنے

کا حکم دیا، کیا آواز کو برابر کر سکتے ہیں؟ تو علماء نے لکھا: نہیں! برابر بھی نہیں کر سکتے: کیوں کہ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ (اور نہ ان کو پکارنا اونچی آواز سے، جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو) اس کا مطلب یہ کہ برابری کا جو منع ہے وہ ''وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ'' سے منع ہو گیا۔ [۱]

لہٰذا ''لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ'' سے تو رفعِ صوت کو منع کر دیا گیا اور برابری کو ''وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ'' سے منع کر دیا گیا تو برابری بھی نہیں کر سکتے۔ ہاں! ایک طریقہ رہ گیا کہ آواز کو پست رکھنا، لہٰذا آواز کو پست رکھ کر گفتگو کی جا سکتی ہے۔

صحابہ کرامؓ کی پریشانی

صحابہ کرام اس آیت کے اترنے کے بعد بہت پریشان ہو گئے۔ حضرت عمرؓ اتنا آہستہ بولتے تھے کہ آواز سمجھ بھی نہیں آتی تھی۔ نبی ﷺ کو کئی مرتبہ فرمانا پڑتا: عمر! تمہاری بات سمجھ میں نہیں آئی، تھوڑا اونچا بولو۔ اتنا آہستہ بولتے تھے۔ [۲]

ایک اور صحابی تھے ثابت بن قیسؓ۔ وہ قدرتاً رفیع الصوت تھے، اونچی آواز والے تھے۔ کئی لوگ ہوتے ہیں نا! آواز بہت بلند ہوتی ہے، ان کی آواز بہت بلند تھی، جب یہ آیت اتری تو انہوں نے اپنے آپ کو گھر کے کمرے میں بند کر دیا، کئی دن نبی ﷺ سے ملاقات نہیں ہوئی تو نبی ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ اس کی طرف جاؤ اور پتہ کرو کہ وہ اتنے دنوں سے کیوں نظر نہیں آ رہے؟ انہوں نے جا کر دیکھا کہ انہوں نے تو اپنے آپ کو کمرے میں بند کیا ہوا تھا اور اپنی بیوی کو کہا تھا کہ اس دروازے کو تم کیل ٹھونک دو؛ اس لیے کہ میری آواز بلند ہے اور میں نے تو زندگی میں کئی مرتبہ ایسے گفتگو کی ہو گی کہ میری آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند ہو گئی تو اب تو ثابت بن قیس جہنمی ہو گیا۔ رو رہے ہیں، رو رہے ہیں اور کمرے کے اندر بند ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ثابت بن قیس کو میری طرف سے جنت کی بشارت دے دو اور اس کو کہو کہ ''اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَعِيْشَ حَمِيْدًا وَّ تُقْتَلَ

---

[۱] تفسیر الرازی، سورۃ الحجرات، الآیت: ۲

[۲] التفسیر المظہری: ۹/۴۱، الحجرات، الآیۃ: ۲

شَهِيدًا وَ تَدْخُلَ الْجَنَّةَ'' (کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ اچھی زندگی گزارو، اللہ تمہیں شہادت پر موت عطا فرمائیں اور تمہیں اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائیں؟) ثابت بن قیسؓ نے کہا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کی بشارت پر راضی ہوں اور میں کبھی بھی اپنی آواز آپ کی آواز سے بلند نہیں کروں گا۔ [1]

صحابۂ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ نبی ﷺ سے گفتگو کرتے ہوئے ان کی آواز اس طرح پست ہو جاتی تھی۔

فائدہ (۹) نبی ﷺ کو نام سے پکارنے کی بھی اجازت نہیں

''وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ'' میں یہ حکم بھی موجود ہے کہ جس طرح ہم ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہیں تو نبی ﷺ کو نام لے کر پکارنے کی اجازت نہیں۔ تم ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو نا! ''كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ'' عبداللہ! ادھر آؤ، اسماعیل! ادھر آؤ!۔ نہیں! تم میرے محبوب کو ایسے نہیں پکار سکتے۔ ہم تو مخلوق ہیں، امتی ہیں، اللہ ربّ العزت جو مالکِ کائنات ہیں، اللہ نے اپنے محبوب کو پکارنے میں ان کے احترام کا بہت خیال رکھا ہے۔ دیکھیے! قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء کو پکارا تو ان کا نام لے کر پکارا: يَا دَاوٗدُ! يَا مُوْسٰى! يَا عِيْسٰى! يَا اِبْرَاهِيْمُ! يَا زَكَرِيَّا! یہ قرآن مجید کے الفاظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا نام لے کر ان کو پکار رہے ہیں، لیکن جب نبی ﷺ کو پکارنے کا وقت آیا تو اللہ نے نبی ﷺ کے القاب سے ان کو پکارا:

۞-- يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ!　　۞-- يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ!

۞-- يَا اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ!　　۞-- يَا اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ!

اللہ تعالیٰ نام لے کر بھی تو پکار سکتے تھے، مگر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام لے کر پکارنے کے بجائے انکے القاب کے ساتھ ان کو پکارا۔ تو جب اللہ تعالیٰ ان کو پکارنے میں ان کا اتنا احترام فرما رہے ہیں تو بندوں کو کتنا اکرام کرنا چاہیے۔!

---

[1] التفسير المظهري: ۹/ ۴۱، ۴۲، الحجرات، الآية: ۲

فائدہ (۱۰) ''لَا تَرْفَعُوْٓا'' کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی باقی ہے

یہ مسئلہ یاد رکھیے! جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں ان کے سامنے آواز بلند نہیں کی جا سکتی تھی، ان کی وفات کے بعد بھی ان کی شان اسی طرح ہے اور ان کا وہی مرتبہ ہے، اب بھی وہاں پر آواز بلند نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے جو لوگ حج عمرے پر جاتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ وہاں بھی یہ آیت لکھی ہوئی ہے:

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

آج بھی وہی حکم باقی ہے۔ یہ نہیں کہ آپ کی وفات کے بعد وہ حکم ختم ہو گیا، وہ حکم ابھی بھی باقی ہے۔ ہم وہاں جا کر شور نہیں مچا سکتے، اونچی آواز میں نعتیں نہیں پڑھ سکتے اور اونچی آواز میں باتیں نہیں کر سکتے۔ ہمیں اب بھی ان کے ادب کا خیال رکھنا پڑے گا۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ

اب یہاں پر ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ علمائے اہل سنت حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل ہیں، لیکن بعض ایسے بھی لوگ ہیں جو حیات کے منکر ہیں۔ یہ ''مماتی'' کہلاتے ہیں، ہم ان کو پتھری کہتے ہیں۔ جہاں پتھری کا نام آئے گا آپ سمجھ لیں یہ مماتی بندہ ہے۔ اب یہ مسئلہ تو بہت مشکل ہے، علماء کے سمجھانے کا ہے۔ ان مسائل کے اپنے اسپیشلسٹ موجود ہیں، جیسے مولانا الیاس گھمن صاحب اس مسئلے کے ماہر ہیں۔ اگر آپ تفصیل معلوم کرنا چاہیں تو ان کے پاس جائیں، وہ آپ کو قرآن و حدیث کی روشنی میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوری تفصیل بتائیں گے، مگر میں چوں کہ ایک طالب علم ہوں تو میں آج کی اس مجلس میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دو عام فہم سی باتیں کرتا ہوں کہ ہم حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں مانتے ہیں؟

یہ بات ذہن میں رکھیں کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جن پر اللہ کا انعام ہوا۔ قرآن مجید میں ان کی تفصیل موجود ہے:

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ [1]

[1] النساء: ۶۹

اللہ تعالیٰ نے ان کی درجہ بندی بھی کردی کہ سب سے پہلے انبیاء، پھر اس کے بعد صدیقین، اس کے بعد شہداء اور اس کے بعد صالحین۔ تو یہ چار انعام یافتہ بندے ہیں۔ اس کا مطلب یہ کہ صالحین کو جو انعام ملا تو شہید کو ان سے بڑا انعام ملے گا۔ درجہ اونچا جو ہوا۔ اور جو صدیقین ہیں اس کو شہید سے بھی اونچا انعام ملے گا اور جو نبی ہیں ان کو صدیق سے بھی اونچا انعام ملے گا؛ کیوں کہ وہ سب سے بڑے درجے والے لوگ ہیں۔ اب قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دیکھو! جب کوئی بندہ شہید ہو تو اس کے بارے میں فرمایا:

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ [1]

ترجمہ: جب کوئی اللہ کے راستے میں شہید ہو جائے تو اسے مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہیں، مگر تمہیں اس کا شعور نہیں ہے۔

ہم ان کو مردہ کا لفظ ہی نہیں کہہ سکتے، وہ زندہ ہیں اور اس کا شعور ہمیں نہیں ہے۔ اور ایک جگہ اللہ فرماتے ہیں:

وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ [2]

ترجمہ: اور تم ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں کبھی مردہ نہیں سمجھنا، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے یہاں رزق پاتے ہیں۔

وہ تو زندہ ہیں، اللہ کے نزدیک ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ تو شہید زندہ ہیں، قرآن مجید سے یہ بات ثابت ہے۔ اب آپ بتایئے کہ جب شہید کو مرنے کے بعد بھی زندہ ہونے کا انعام ملے گا تو صدیق اور نبی کا درجہ تو اس سے اونچا ہے تو اس کا مطلب یہ کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی پھر زندگی کا انعام ملتا ہے۔

اور اس کی تصدیق حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

---

[1] البقرۃ: ۱۵۴

[2] آل عمران: ۱۶۹

الْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ. [1]

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہوتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں۔

قرآن پاک سے بھی بات سمجھ میں آگئی اور حدیث سے بھی تصدیق ہوگئی تو ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی ﷺ کو اپنی وفات کے بعد بھی ایک حیات نصیب ہے۔اب اس حیات کی حقیقت کیا ہے؟ ہم تو ہیں ہی بے شعورے، ہمیں کیا پتہ چلے گا؟ اللہ فرماتے ہیں: ''وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۞'' ''تمہیں شعور نہیں ہے۔تو اس میں بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ موٹی سی بات کہ بس اگر شہید زندہ ہوتا ہے تو نبی بھی زندہ ہیں، حقیقت کیا ہے؟ اللہ بہتر جانتا ہے۔

نبی ﷺ کا بعض اعمال میں امتیوں سے مختلف ہونا

اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ کے بہت سارے اعمال ایسے تھے کہ جن میں آپ ﷺ امت سے مختلف تھے۔آپ نبی تھے، آپ کا درجہ امت سے مختلف تھا۔مثلاً:

۞-امتی صدقہ کا مال کھا سکتا ہے، اگر فاقہ اور غربت ہو۔نبی ﷺ کے لیے صدقہ منع تھا۔

۞-امتی کے لیے تہجد کی نماز نفل ہے، نبی ﷺ کے لیے تہجد کی نماز فرض ہے۔

۞-عام آدمی آگے دیکھتا ہے تو پیچھے نظر نہیں آتا۔نبی ﷺ نے فرمایا: میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں، میں جیسے آگے دیکھ رہا ہوتا ہوں اسی طرح پیچھے بھی دیکھ رہا ہوتا ہوں۔ [2]

۞-ہماری نیند ناقضِ وضو ہے، ہم سو جاتے ہیں ہمارا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔نبی ﷺ کی نیند ناقضِ وضو نہیں تھی، نیند سے آپ ﷺ کا وضو مبارک نہیں ٹوٹتا تھا۔

۞-امتی کے لیے ۴ شادیوں کی اجازت ہے، اس سے اوپر کوئی نہیں کرسکتا۔اگر پانچویں کرنی ہوگی تو کسی ایک کو طلاق دے پھر آگے شادی کرے، مگر نبی ﷺ کو اللہ نے

---

[1] مسند ابی یعلیٰ، رقم: ۳۴۲۵

[2] مصنف عبدالرزاق، رقم: ۳۷۶۷، باب الرجل یصلی صلاۃ لا یکملہا

ایک وقت میں ۹ / بیویوں [1] کی اجازت عطا فرمائی تھی۔

تو بہت سارے معاملات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ امت سے مختلف تھا۔ امتی کے لیے اور نبی کے لیے احکام مختلف تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات امتیوں سے مختلف

جیسے احکام مختلف ہیں، اسی طرح موت وحیات کا معاملہ بھی مختلف ہے۔ ہماری موت اور ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو وفات تھی وہ بالکل اور تھی۔ ہم اس کو اپنی موت پر قیاس نہیں کر سکتے۔ یہاں غلطی یہ ہوتی ہے کہ لوگ اسے اپنی موت پر قیاس کر لیتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ ہم اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کر رہے ہیں۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو وفات مبارکہ تھی وہ عام بندے کی موت کی طرح نہیں تھی۔ عام بندے کی وفات ہوتی ہے تو اس کے جسم سے روح کو نکال لیا جاتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: پھر اس روح کو نیک بندہ ہو تو جنتی پرندے کے اندر داخل کر دیا جاتا ہے اور جنتی پرندے علیین کے اندر پھرتے رہتے ہیں، اڑتے رہتے ہیں، جنت کی غذائیں کھاتے رہتے ہیں۔ عام بندے سے تو روح نکال

---

[1] آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ازواج مطہرات کل گیارہ تھیں، البتہ ایک وقت میں ۹ / ہی ازواج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں رہی ہیں، جن کی تاریخ نکاح ووفات درج ذیل ہے:

۱- خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا- ۵۹۵ / عیسوی-- ۱۰ / نبوی-

۲- سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا-- ۱۰ / نبوی- ۵۴ / ہجری-

۳- عائشہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا-- ۱۰ / نبوی- ۵۷ / ہجری- شوال

۴- حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا- ۳ / ہجری- ۴۵ / ہجری-

۵- زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا- ۳ / ہجری- ۳ / ہجری- شوال

۶- ام سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا- ۴ / ہجری- ۶۲ / ہجری- آخر شوال

۷- ام حبیبہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا- ۵ / ہجری-- ۲۰ / ہجری-

۸- جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا- ۵ / ہجری-- ۵۰ / ہجری-

۹- ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا- ۶ / ہجری- ۴۴ / ہجری-

۱۰- صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا- ۷ / ہجری-- ۵۰ / ہجری-

۱۱- میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا- ۷ / ہجری- ۵۱ / ہجری- ذی قعدہ

(سیرۃ المصطفیٰ: ۱/ ۲۸۱ تا ۲۴۹ ج: ۳، ط: علمیہ سہارنپور- ب، ا، ق)

لی گئی اور اس روح کو جنتی پرندوں کے اندر رکھ دیا گیا۔ [۱] تو روح کو ترقی نصیب ہوگئی پہلے خاکی جسم میں تھی اور اب جنت کی مخلوق۔ جو اعلیٰ ہے۔ اس کے اندر اس کا مسکن ہوگیا۔ تو عام آدمی کی موت کا تو یہ معاملہ ہے، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ایسے نہیں تھی۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مردہ ہیں۔ معاذ اللہ! ان سے سوال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو اگر جسم سے نکالا گیا تو رکھا کہاں گیا؟ اگر کوئی کہے کہ جنت میں رکھا گیا تو اس کا مطلب ہے جنت افضل ہوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جسم مبارک سے۔ حالاں کہ عقیدہ یہ ہے کہ اللہ نے جتنی مخلوقات کو پیدا کیا ان میں سب سے اعلیٰ، اشرف اور بلند مرتبہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک ہے۔ کوئی چیز ان سے درجے میں بڑھ نہیں سکتی۔ بلکہ علمائے دیوبند کا تو یہاں تک عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جہاں پر مدفون ہیں آپ کی قبر مبارک میں جو مٹی آپ کے جسم مبارک کے ساتھ لگ رہی ہے، اس مٹی کا درجہ بھی عرشِ معلّٰی سے افضل ہے۔ [۲] تو اگر جسم مبارک سے روح کو نکال لیا گیا تو اس روح کو رکھا کہاں گیا؟ بتائیں۔ جس چیز کا نام لوگے وہ تو ادنیٰ ہوگی تو کیا روح کو ترقی کی بجائے الٹا تنزلی مل گئی؟ یہ کیسے ممکن ہے؟ انعام تو وہ ہوتا ہے کہ زیادہ ملے، کم نہیں مل سکتا۔ تو پھر ہم اس کو کیسے Explain (واضح) کریں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مبارکہ کیسے ہوئی؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیتِ وفات پر حضرت نانوتویؒ کی وضاحت

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے اس کو بہت پیارے طریقے سے Explain (واضح) کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مبارکہ ایسے تھی کہ آپ کی روح کو سارے جسم سے آپ کے قلب مبارک کے اندر سمیٹ لیا گیا تھا اور آپ کا قلب مبارک

---

[۱] صحیح مسلم، رقم: ۱۸۸۷

[۲] محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری اپنی کتاب "المهند على المفند" میں رقم طراز ہیں: "وہ حصہ زمین جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضائے مبارکہ کو مس کیے ہوئے ہیں۔ (یعنی چھوئے ہوئے ہے) علی الاطلاق افضل ہے۔ یہاں تک کہ کعبہ اور عرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔ (عقائد علمائے اہل سنت دیوبند بحوالہ المہند ص ۱۱، زبدۃ المناسک حضرت گنگوہی، مطبوعہ اتحاد بک ڈپو دیوبند) ب، ۱۱ق

آپ کے پورے جسم میں سب سے اعلیٰ تھا تو روح کو ترقی مل گئی تھی کہ پورے جسم کی روح کو قلب مبارک - جو بہترین مقام تھا - اس میں آنے کا موقع مل گیا۔ یہ جو روح مبارک کو قلب میں سمیٹ لیا گیا، یہی نبی ﷺ کی وفات مبارکہ تھی، اس کے بعد روح کو جسم کے اندر پھر پھیلا دیا گیا اور یہ نبی ﷺ کی وفات تھی۔ روح کو جسم سے الگ نہیں کیا گیا، وہ جہاں تھی ویسے ہی رہی۔ پھر وفات کیسے ہوئی؟ تو حضرت نانوتوی سمجھاتے ہیں کہ ایک بلب ہوتا ہے، اس نے پورا کمرے کو روشن کیا ہوتا ہے۔ پھر کوئی بندہ آ کر اس کے اوپر ڈھکنا رکھ دیتا ہے تو ڈھکنا رکھنے سے پورے کمرے کے اندر اندھیرا ہو جاتا ہے، مگر ڈھکنے کے اندر روشنی ختم نہیں ہو جاتی، اسی طرح رہتی ہے جیسے پہلے ہوا کرتی تھی۔ تو نبی ﷺ کی وفات مبارکہ بھی ایسے ہی تھی کہ اللہ نے آپ کو ایک گویا ڈھکنے کے اندر بند فرما دیا، آپ کا نور قبر مبارک میں اسی طرح ہے جیسے آپ کی حیات طیبہ میں تھا۔ اگرچہ جہاں میں وہ نور اب محسوس نہیں ہوتا، ڈھکنا اوپر رکھ دیا گیا۔

نبی ﷺ کی وفات حسرت آیات پر صحابہؓ کی کیفیت

یہی وجہ تھی کہ نبی ﷺ کو صحابہ نے دیکھا تو وہ کہتے تھے کہ نبی ﷺ کی وفات نہیں ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے اپنی زندگی میں ہزاروں لوگوں کو مرتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ وہ Mature آدمی تھے۔ انہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا تو تلوار نکال لی۔ فرمانے لگے: جو کہے گا کہ نبی ﷺ کی وفات ہو گئی، میں اس کی گردن اڑا کر رکھ دوں گا۔ کیا وہ بچے تھے جو یہ کہہ رہے تھے؟ نہیں! وہ سمجھ رہے تھے کہ جو عام بندے کی وفات کی علامات ہیں وہ نبی ﷺ میں نظر نہیں آ رہیں، لہٰذا یہ نبی ﷺ کی وفات نہیں ہوئی، یہ حیات ہی کی کوئی کیفیت ہے۔ [1]

سیدنا صدیق اکبرؓ تشریف لائے، انہوں نے نبی ﷺ کو لیٹے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ کے ماتھے کو بوسہ دیا۔ ماتھے کو بوسہ دے کر کہا: اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ اپنی زندگی میں کتنے خوب صورت تھے اور اب وفات کے بعد کتنے خوب صورت لگ رہے

---

[1] سنن ابن ماجہ، رقم: ۱۶۲۷، باب ذکر وفاتہ ودفنہ ﷺ

ہیں۔ وہ پہچانتے تھے کہ نبی ﷺ کی وفات عام بندے کی وفات نہیں ہوتی، یہ کچھ اور طریقہ ہے۔ انہوں نے پہچان لیا اور انہوں نے بوسہ دے کر اعلان کر دیا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے وفات پائی۔ [1]

پھر صحابۂ کرامؓ کو یہ بات سمجھ نہیں آ رہی تھی تو نبی ﷺ کے جو نائب تھے، صدیق اکبرؓ، وہ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ، فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ.

ترجمہ: تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی پوجا کرتا تھا، عبادت کرتا تھا تو ان کی تو وفات ہو گئی۔ اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے، اس کو موت نہیں آسکتی۔

اور اس کے بعد انہوں نے یہ آیات پڑھیں:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٤﴾ [2]

ترجمہ: اور محمد (ﷺ) نہیں ہیں، مگر ایک رسول، ان سے پہلے بھی گزر چکے ہیں بہت سے رسول، تو کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر گیا (راہِ حق سے) تو وہ اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑے گا اور اللہ جلد ہی نوازے گا شکر گزاروں کو ان کے بدلے سے۔

تو صحابہ کا اس بات پر اجماع ہو گیا کہ نبی علیہ السلام کی وفات ہو گئی۔ [3]

نبی ﷺ کی نمازِ جنازہ مختلف

پھر نبی ﷺ کی نمازِ جنازہ بھی عام بندے کی طرح نہیں ہوئی۔ عام بندے کی نمازِ جنازہ کیسے ہوتی ہے؟ لوگ صفیں باندھتے ہیں، امام آگے کھڑا ہوتا ہے، چار تکبیر نمازِ جنازہ

[1] صحیح البخاری، رقم: ۴۴۵۲، باب مرض النبی ﷺ ووفاتہ [2] النساء: ۱۴۴
[3] صحیح البخاری، رقم: ۴۴۵۴، باب مرض النبی ﷺ ووفاتہ

کی پڑھتا ہے اور سلام پھیر دیا جاتا ہے، نماز ہو جاتی ہے۔ نبی ﷺ کی نماز جنازہ اس طرح نہیں پڑھی گئی۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی ﷺ کو حجرۂ مبارک میں رکھ دیا گیا تھا اور صحابہ کرامؓ مرد اور عورتیں لائن بنا کر آتے تھے، نبی ﷺ کے پاس کھڑے ہو کر نبی ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھتے تھے، آپ کی تعریف کرتے تھے۔ اے اللہ کے حبیب ﷺ! آپ نے یہ فرمایا اور یہ فرمایا اور یہ فرمایا۔ یہ جو آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھا گیا، یہی نبی ﷺ کی نمازِ جنازہ تھی۔ [1]

جب جنازہ بھی مختلف ہے اور وفات کی کیفیت بھی مختلف ہے تو موت کی کیفیت بھی پھر مختلف ہوگی۔

اہلِ سنّت والجماعت کا عقیدہ

اس لیے ہمارا اہل سنّت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی ﷺ اس وقت اپنے حجرہ مبارکہ میں حیات کی کیفیت میں ہیں۔ اب اس حیات کی کیفیت کیا ہے؟ ہمیں اس میں بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری اوقات ہی نہیں ہے کہ ہم اس پر بحث کرسکیں۔ اس کی حدیث مبارک سے دلیل بھی ملتی ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: جو بندہ دور سے درود شریف پڑھتا ہے تو فرشتے مجھ تک پہنچا دیتے ہیں اور جو قریب آ کر درود شریف پڑھتے ہیں تو میں خود اس درود شریف کو سنتا ہوں۔ [2]

معلوم ہوا کہ نبی حیات ہیں تو درود شریف کو سنتے ہیں، اس لیے ہم حیات النبی ﷺ کے قائل ہیں۔

اس لیے آیت مبارکہ ''لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ '' کا حکم جیسے آپ کی زندگی میں تھا، آپ کی وفات مبارکہ کے بعد بھی اسی طرح موجود ہے۔ آج بھی جو بندہ مواجہہ شریف پر جائے گا، اگر اس کو وہاں پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا ہے تو آہستہ آواز سے بولے گا۔ محبوب کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہیں کرسکتے۔

---

[1] سنن ابن ماجہ، رقم: ۱۶۲۸، باب ذکر وفاتہ ودفنہ

[2] مشکوۃ المصابیح، رقم: ۹۳۴، باب الصلاۃ علی النبی ﷺ وفضلها

فائدہ (۱۱) باخدا دیوانہ باشد با محمد ہوشیار

اس لیے علماء نے لکھا ہے کہ اللہ کے معاملے میں بندہ دیوانہ بن جائے تو بھی جائز ہے، مگر نبی ﷺ کے بارے میں بہت محتاط رہے۔

باخدا دیوانہ باشد با محمد ہوشیار

اللہ کے ساتھ محبت میں دیوانے بھی بن جاؤ تو اللہ معاف کر دے گا، لیکن محمد ﷺ کے سامنے بہت ادب کا خیال رکھو، ذرا سی بے ادبی ہوگئی تو سارے کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

مواجہہ شریف پر امام اعظم ابوحنیفہؒ کی احتیاط

امام اعظم ابوحنیفہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ جب نبی ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرنے کے لیے حاضری دیتے تھے تو مواجہہ شریف سے آگے نہیں جاتے تھے۔ باب السلام سے داخل ہوتے تھے اور تھوڑا سا آگے جا کر وہیں کھڑے ہو کر دور سے ہی سلام پڑھ لیا کرتے تھے۔ لوگ پوچھتے کہ آپ قریب کیوں نہیں جاتے؟ تو فرماتے تھے کہ مجھے ڈر لگتا ہے، مجھ سے کہیں بے ادبی نہ ہو جائے اور میرے عمل کہیں ضائع نہ ہو جائیں۔ امام صاحب اتنی احتیاط کرتے تھے۔

علامہ اقبال نے خوب صورت اشعار لکھے:

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید

ترجمہ: یہ آسمان کے نیچے ایسی ادب گاہ ہے کہ عرش سے بھی زیادہ نازک ہے۔ جنید اور بایزید بھی اس جگہ پر آتے ہیں تو ان کے سانس گم ہو جاتے ہیں۔

ادب کی وجہ سے سانس بھی نہیں لیتے کہ سانس کی آواز بھی بلند نہ ہو جائے، اس لیے نبی ﷺ کی خدمت میں انسان سلام کے لیے حاضر ہو تو بہت ڈرتے ہوئے اور بہت گھبراتے ہوئے حاضر ہو کہ ہم اللہ کے محبوب ﷺ کے سامنے جا رہے ہیں۔ اللہ کے حبیب ﷺ کو ہماری کسی وجہ سے ایذا نہ پہنچے۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی احتیاط

اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے زمانے میں مسجد نبوی میں کسی کو شور نہیں کرنے دیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کے دروازے بنوانے تھے تو انہوں نے دروازے بنانے والے سے یہ معاہدہ کیا کہ تم مسجد کے دروازے حرم کی حدود سے باہر بناؤ گے۔ جو ٹھک ٹھک کرنی ہے وہاں کرنا اور یہاں آکر صرف لگا دینا، تاکہ آواز پیدا نہ ہو۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاہدہ کیا تھا کہ اتنی بھی آواز بلند نہ ہو۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے دو بندوں کو مسجد نبوی میں اونچی آواز سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے ان کو بلایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: ہم اہلِ طائف ہیں اور یہاں پر زیارت کے لیے آئے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں اتنی سزا دیتا کہ تمہارے چہرے سرخ کر دیتا۔ یعنی تھپڑ مار مار کر تمہارے چہرے سرخ کر دیتا کہ مدینہ کے رہنے والے ہو اور تم اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں آواز بلند کر رہے ہو۔ لیکن چوں کہ تم مدینے کے رہنے والے نہیں، تمہیں آداب کا پتہ نہیں، اس لیے میں تمہیں معاف کر رہا ہوں۔ [1]

یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مسجد نبوی میں آواز کا بلند کرنا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب کی وجہ سے ویسے ہی پسند نہیں تھا۔

فائدہ (١٢) محافل نعت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارنا جائز نہیں

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم ایسے نہیں پکار سکتے جیسے ایک دوسرے کو لوگ پکارتے ہیں۔ اب آپ بتائیے! قرآن کہہ رہا ہے کہ میرے محبوب کو تم پاس کھڑے ہو کر بھی ایسے نہیں پکار سکتے۔ اور کئی لوگ ہیں جو یہاں مجلسیں سجاتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہاں سے پکارتے ہیں: یا رسول اللہ! یا حبیب اللہ! بھئی! وہاں پکارنا تو جائز نہیں، قرآن کہہ رہا ہے تو یہاں سے پکارنا کہاں سے جائز ہو گیا؟ ''اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ'' یہ بے عقل لوگ ہیں، سمجھ نہیں ہوتی، اس لیے وہ ایسے گستاخی کر بیٹھتے ہیں، ورنہ بے چارے ہیں تو محبت کرنے والے۔

---

[1] صحیح البخاری، رقم: ٤٧٠، باب رفع الصوت فی المساجد

مگر یہ یاد رکھنا کہ نبی ﷺ کے ساتھ محبت میں انسان کی مستی نہیں چلتی، اللہ کے ساتھ چل جاتی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک چرواہا تھا، وہ ایک دفعہ بیٹھا دعا مانگ رہا تھا کہ یا اللہ! میں نے سنا ہے آپ کی کوئی بیوی بھی نہیں، آپ کے کوئی بچے بھی نہیں، آپ کی کوئی خدمت کرنے والا نہیں۔ اے اللہ! کبھی آپ میرے مہمان بن جائیں، میں آپ کو پکا کر کھانا بھی کھلاؤں گا، میں سر بھی دباؤں گا، پاؤں بھی دباؤں گا اور میں آپ کی خوب خدمت کروں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب سنا تو انہوں نے اس چرواہے کو ٹوکا۔ او اللہ کے بندے! اللہ تعالیٰ کھانے پینے سے پاک ہے، اس کو بیوی بچوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کی ذات ان سب چیزوں سے بلند ہے۔ اب وہ ڈر گیا اور خاموش ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی نازل فرمائی: اے میرے پیارے پیغمبر!

تو برائے وصل کردن آمدید
نے برائے فصل کردن آمدید

میں نے تجھے بندوں کو جوڑنے کے لیے بھیجا تھا، بندوں کو توڑنے کے لیے تو نہیں بھیجا تھا۔ تو نے سمجھا دیا تو وہ ڈر گیا۔ جو محبت میں مجھ سے گفتگو کر رہا تھا اب وہ نہیں کر رہا۔ [1]

دیکھیں! اللہ سے محبت میں انسان ایسی دیوانگی کی بات کر لے تو چل جاتی ہے، لیکن نبی ﷺ کے ساتھ انسان کو حد میں رہنا پڑے گا۔ اللہ ربّ العزت نے اپنے محبوب کی عظمت بیان کرنا تھی تو اللہ نے فرما دیا: دیکھو! اس معاملے میں اونچ نیچ برداشت نہیں کروں گا۔ اس لیے بات کرتے ہوئے ہمیشہ ادب کے ساتھ بات کرنی چاہیے، ہمیشہ بہت ادب سے نام لینا چاہیے، بہت محبت سے، بہت پیار سے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پیارے حبیب ﷺ کی سچی محبت عطا فرمائے اور ہمیں ان کی عزت اور قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

فائدہ (۱۴) حدیثِ رسول ﷺ کی مجلس میں بھی آواز بلند نہ ہو

"لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ" کے ضمن میں یہ ادب بھی ہے کہ جہاں

[1] خطبات حکیم الامت: ۴۴ر ۱۷۴، ۱۷۵، عنوان: طبیب کا فقدان

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھی جائے وہاں بھی آواز اونچی نہ ہو۔ سلف صالحین کا دستور تھا کہ جس محفل میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سنی یا سنائی جاتی اس محفل میں بھی باادب بیٹھتے اور اپنی آواز کو پست رکھتے تھے۔ حضرت امام بخاریؒ کے استاذ امام عبدالرحمٰن بن مہدی کا یہ معمول تھا کہ جب ان کے سامنے حدیث پڑھی جاتی تو وہ یہی آیت پڑھا کرتے تھے اور لوگوں کو خاموش رہنے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ حدیث شریف پڑھتے پڑھاتے وقت خاموش رہنا اسی طرح لازم ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں ارشاد فرماتے وقت لازم تھا۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ احادیث نبوی بیان فرما رہے تھے کہ قرأت حدیث کے دوران آپ کا رنگ زرد ہو رہا تھا، مگر آپ نے حدیث پڑھنا موقوف نہ کیا۔ حدیث کی روایت سے فارغ ہونے کے بعد مجھے فرمایا کہ ذرا میری کمر دیکھو؟ میں نے کپڑا اٹھایا تو دیکھا کہ ایک بچھو نے سولہ مرتبہ ڈسا تھا۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے اسی وقت کیوں نہ بتایا؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے لیے صبر کیا۔

فائدہ (۱۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی پر اعمال ضائع ہو جاتے ہیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آواز بلند کرنا سخت بے ادبی ہے۔ اس سے کیا ہوگا؟ فرمایا:

اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ

اگر ایسا کرو گے تو تمہارے عمل ضائع کر دیے جائیں گے اور تمہیں اس کا پتہ ہی نہیں چلے گا۔ "اَعْمَالُكُمْ" جمع کا صیغہ ہے، یعنی کچھ اعمال نہیں، سب اعمال ضائع کر دیے جائیں گے۔

اعمال ضائع کیوں ہوتے ہیں؟

اس گناہ سے عمل ضائع کیوں ہو گئے؟ مفسرین نے اس کی وجہ لکھی کہ تمہاری آواز بلند ہونے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دل آزاری ہوگی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دل آزاری اتنا بڑا جرم ہے کہ بندے کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ یہ کوئی چھوٹا جرم نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دل آزاری کرنا، ان کو دکھ پہنچانا، اگر تم ان کا دل دکھاؤ گے تو تمہارے کیے ہوئے عمل ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔

اب آپ غور کیجیے کہ صحابہ کرامؓ امت کے بہترین افراد تھے، خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہترین میرا زمانہ ہے۔ اب جن کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ سب سے بہترین میرا زمانہ ہے، اس زمانے میں لوگوں کو اللہ فرماتے ہیں کہ تمہارے عمل ضائع ہو جائیں گے، تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔ تو ہم لوگوں کو پھر کتنا ڈرنے کی ضرورت ہے! ہم تو آج کے اس دور میں ہیں جب ظلمت زیادہ ہے اور نبوت سے بہت دور کا زمانہ ہے۔ ہماری بول چال میں تھوڑا سا لفظ آگے پیچھے ہو جائے تو کتنا ڈرنے کی ضرورت ہے!!

اللہ تعالیٰ کے جلال کے تین مقامات

میں نے قرآن مجید میں تین مقامات ایسے دیکھے کہ جن میں اللہ رب العزت کو بہت جلال میں دیکھا۔ ''الحمد'' سے لے کر ''والناس'' تک میں نے ایک مرتبہ اس نیت سے قرآن پڑھا کہ دیکھوں وہ کون سی جگہ ہے جہاں پر اللہ کا جلال بہت نظر آتا ہے؟

۱۔ سود خوروں پر اللہ کا جلال

اس میں پہلی جگہ ہے جب سود سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا، جو لوگ منع نہیں ہوتے ان کے بارے میں فرمایا:

فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ [1]

ترجمہ: اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

احکم الحاکمین اگر یہ کہیں تو کوئی بندہ ہے جو اللہ کے ساتھ جنگ کر سکے؟ اس لیے سودی کام کرنے والے جتنے لوگ ہوتے ہیں، سب نقصان اٹھاتے ہیں۔ آج جب بینک کرپٹ ہو جاتے ہیں یا کاروبار میں نقصان اٹھا کر صفر ہو جاتے ہیں یہ سب سود کے تماشے ہیں۔ سود کا لینا، دینا اور لکھنا، ہر چیز حرام ہے۔ تو اس سے بہت پرہیز کرنے کی ضرورت ہے۔

۲۔ مسلمان کے قاتل پر اللہ کا جلال

دوسرا پھر جب کسی مسلمان کو کوئی قتل کرے، اس کا جب تذکرہ آیا تو اللہ تعالیٰ کا بہت

---

[1] البقرۃ: ۲۷۹

جلال نظر آیا۔ فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی کسی مومن کو ارادے سے قتل کرے:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ

اگر کوئی کسی مومن کو ارادتاً قتل کرے -- بغیر ارادے کے قتل ہو جائے تو وہ نہیں ہے، وہ تو قتل خطا ہوتی ہے۔ گھر سے نکلا مسجد جانے کے لیے، راستے میں ایکسیڈنٹ ہوا، بندہ مر گیا۔ اب یہ کوئی بندہ مارنے کے لیے تو نہیں نکلا تھا، یہ تو جمعہ پڑھنے کے لیے نکلا تھا، غلطی سے ایسا ہو گیا۔ تو قتلِ خطا اس میں شامل نہیں -- جو ارادتاً کسی مومن کو قتل کرے "فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ" اس کی جزا جہنم ہے۔

اگر یہاں تک کلام ہوتا تو بہت کافی تھا کہ اللہ تعالیٰ بہت ناراض ہیں اور قاتل کو اللہ تعالیٰ جہنم میں ڈالیں گے، مگر ایسے لگتا ہے جیسے اللہ کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔ آگے فرمایا:

خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا [1]

پہلے فرمایا: "خٰلِدًا فِيْهَا" (وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا) بھئی! ہمیشہ ہمیشہ تو کافر رہے گا، مشرک رہے گا، منافق رہے گا۔ فرمایا کہ مومن کو قتل کرنا بھی اتنا بڑا گناہ ہے کہ اسے اتنی لمبی سزا ملے گی جیسے ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

اگر یہاں تک کہہ دیتے کہ ہمیشہ رہے گا کافی تھا، پھر آگے فرمایا: "وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ" (اور اللہ کا اس کے اوپر غضب ہوگا) الفاظ کو دیکھیے! کیسا چناؤ ہے کہ پڑھ کر بندے کا دل کانپ جاتا ہے۔ جہنم جائے گا، ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور اللہ کا اس کے اوپر غضب ہوگا۔

اتنا بھی ہوتا تو بہت کافی تھا، پھر فرماتے ہیں: "وَلَعَنَهٗ" (اور اللہ کی اس کے اوپر لعنتیں ہوں گی)۔

اگر یہاں تک بھی ہوتا کافی ہوتا فرماتے ہیں، نہیں! بلکہ "وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا" اور اللہ نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب رکھا ہے۔

---

[1] النساء: ۹۳

جب کسی مومن کو قتل کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اتنے غصے کے اندر آتے ہیں۔ لیکن آج کے دور میں مسلمان کی جان کی کسی کی نظر میں کوئی قیمت ہی نہیں۔ کبھی ادھر سے خبر سنتے ہیں قتل کی، کبھی اُدھر سے خبر سنتے ہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے مکھی مچھر کو مار دیا گیا۔ مومن کی کوئی حیثیت ہی نہیں، حالاں کہ اللہ کی نظر میں یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

۳- نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے ادبی پر اللہ کا جلال

اور تیسرا مقام جس پر اللہ تعالیٰ بڑے جلال میں نظر آئے--- اللہ اکبر!--- ان آیتوں کو پڑھ کر تو بندہ کانپ جاتا ہے۔ مکہ کا ایک بدبخت تھا، [۱] جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون (پاگل) کہہ دیا تھا۔--- اللہ اکبر!--- اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لفظ کہہ دیا۔ اللہ تعالیٰ اتنا غصے میں آئے، اتنا غصے میں آئے کہ اس کے بارے میں فرمایا:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ﴿۱۳﴾ [۲]

ترجمہ: اور نہ ہی کبھی کہا ماننا کسی ایسے (بدبخت) کا جو بہت قسمیں کھانے والا، گھٹیا انسان ہو، جو طعنے دینے والا، چغل خور ہو، جو روکنے والا ہو خیر سے، حد سے بڑھنے والا، بڑا بدکار ہو، جو جفا کار اور اس سب کے علاوہ وہ بد اصل بھی ہو۔

اللہ رب العزت نے اس بندے کے بارے میں اتنے نان اسٹاپ الفاظ ادا کیے، اور آخر پر اس کو کہا کہ یہ تو ہے ہی زنا کی اولاد (حرام زادہ)، جو میرے محبوب کو مجنون کہتا ہے اور واقعی! جب پتہ کیا تو وہ زنا ہی کی اولاد تھا۔ تو اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کی بے ادبی پر بہت جلال آتا ہے۔ یہ فطری بات ہے۔ انسان اپنے بارے میں کچھ کمی بیشی برداشت کر جاتا ہے، محبوب کے بارے میں کمی بیشی برداشت نہیں ہوتی۔

محبوب کا رنج برداشت نہیں

چوں کہ اللہ رب العزت کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا تھوڑا سا بھی رنج برداشت نہیں، اس لیے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی پر اللہ تعالیٰ بندے کے سب اعمال کو ضائع کر دیتے ہیں۔

---

[۱] ولید بن مغیرہ۔ [۲] القلم: ۱۰ تا ۱۳

ہمارے حضرت ایک واقعہ سنایا کرتے تھے۔ ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ جا رہا تھا، نئی نئی شادی تھی۔ دلہن نے صاف کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ایک مجذوب سا آدمی قریب سے گزرا۔ بارش کی وجہ سے کیچڑ پڑا ہوا تھا، اس کے پاؤں سے کچھ کیچڑ کے چھینٹے اڑے اور اس دلہن کے کپڑوں کے اوپر جا کر پڑ گئے۔ دلہن نے غصہ کیا کہ اس بوڑھے نے خیال ہی نہیں رکھا اور میرے کپڑوں پر کیچڑ کے چھینٹے ڈال دیے۔ اس کے خاوند کو غصہ آیا، اس نے اس مجذوب کے دو چار تھپڑ لگا دیے۔ وہ مجذوب خاموشی کے ساتھ آگے چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب یہ میاں بیوی اپنے گھر پہنچے تو سیڑھیوں پر چڑھ رہے تھے کہ خاوند کا پاؤں پھسلا اور وہ نیچے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ بیوی نے شور مچا دیا، اس نے کہا کہ مجھے لگتا ہے کہ میرے خاوند نے ایک فقیر کے دو تھپڑ لگائے تھے، اس نے بد دعا کی، جس کی وجہ سے اب میرا خاوند موت و حیات کی کش مکش میں ہے۔ لوگ اس مجذوب کے پاس آئے اور اس کو کہا کہ بھئی! آپ نے اس نوجوان کے لیے کیوں بد دعا کی؟ اس نے کہا: میں نے تو بد دعا نہیں کی۔ بھئی! تمہاری بد دعا کی وجہ سے ہی تو وہ گرا ہے اور بے ہوش پڑا ہے۔ پتہ نہیں ہوش میں آتا بھی ہے یا نہیں۔ اس نے کہا: بات سادہ ہے، اس کو اپنی بیوی سے محبت تھی۔ جب بیوی پر کیچڑ کے دو چھینٹے پڑے تو اس کو غصہ آ گیا اور اس نے مجھے دو تھپڑ لگا دیے۔ اللہ کو مجھ سے محبت تھی، جب اس نے مجھے دو تھپڑ لگائے تو میرے محب کو بھی غصہ آ گیا، اس نے پھر اس کو موت و حیات کی کش مکش میں ڈال دیا۔

تو اللہ کے محبوب ﷺ کا وہ مقام ہے کہ کوئی بندہ ذرا سی بھی اس میں کوتاہی کرے تو اس کا ایمان سلب ہو جاتا ہے۔

فائدہ (۱۵) نبی ﷺ کے ادب میں بہت محتاط رہیں

فرمایا: وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (اور تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا)

عام طور پر جب انسان غافل ہوتا ہے تو اسے گناہ کا پتہ ہی نہیں چلتا اور نبی ﷺ کے سامنے اونچا بولنے والا تو ایسا ہے کہ اسے نبی ﷺ کے مرتبے کا بھی پتہ نہ چلا تو ایسے

غافل بندے کو تو اندازہ بھی نہیں ہوگا کہ اس نے اپنا کتنا بڑا نقصان کرلیا۔ ادب کے معاملے میں انسان کو غافل نہیں ہونا چاہیے۔ یہ آیت جب اتری تو اس وقت اس کے مخاطب تو صحابہ کرام جیسی جلیل القدر ہستیاں تھیں۔ وہ امت کے بہترین لوگ تھے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، ادب اور اطاعت میں سب سے بڑھ کر تھے۔ جب ان کو اس احتیاط کے بارے میں فرمایا گیا تو پھر ہمیں کتنی احتیاط کی ضرورت ہے!!

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ③
''جو لوگ دبی آواز سے بولتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، وہی ہیں جن کے دلوں کو جانچ لیا ہے اللہ نے پرہیزگاری کے واسطے۔ ان کے لیے بخشش ہے اور بڑا اجر ہے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آواز پست رکھنے کا ادب

غضِ بصر کا مطلب ہوتا ہے: آنکھوں کو پست رکھنا، نیچے رکھنا اور غضِ صوت کا مطلب ہوتا ہے: آواز کو نیچا رکھنا۔ جس طرح ایک تابعدار بیٹا اپنے باپ کے ساتھ آہستہ گفتگو کرتا ہے، ایک سپاہی اپنے آفیسر کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے آواز کو پست رکھتا ہے، جس طرح ایک شاگرد اپنے استاد کے سامنے گفتگو کرتے ہوئے آواز کو پست رکھتا ہے۔ اگر ان کے درجات کا اتنا لحاظ ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ تو بہت اونچا ہے۔ لہٰذا اے ایمان والو! جب تم میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے لگو تو اپنی آواز پست رکھو، نیچا رکھو۔

فائدہ (۱۶) جب دل میں ادب ہو تو آواز پست نکلتی ہے

گفتگو کرتے ہوئے اپنی آواز کو پست رکھنا، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مطابق تھا اور صحابہ کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آواز پست رکھتے تھے اور صحابہؓ کا یہ آواز کا پست رکھنا تکلفاً نہیں تھا، بلکہ طبعاً تھا۔ ان کے دل میں ادب تھا، اس کی وجہ سے پھر آواز پست نکلتی تھی۔ پہلے ادب آتا ہے، پھر غض کا مقام ملتا ہے۔

جو شخص آنکھ کو اٹھا کر رکھے اور آواز بلند کرے، وہ اپنے نفس کی خواہش پر عمل کر رہا ہوتا

ہے، اگر یہ شخص قرب چاہتا ہے تو اسے اپنی خواہشِ نفس کو چھوڑنا پڑے گا۔

آواز پست رکھنا دل کے تقویٰ کی علامت ہے

جو آواز کو نیچا رکھتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ (یہ لوگ ہیں جن کے دلوں کا امتحان اللہ نے لیا تقویٰ کے لیے)

یعنی ممتحن اللہ تعالیٰ کی ذات، امتحان لیا دل کا اور پیپر کا نام تھا تقویٰ کہ ان کے دلوں میں تقویٰ ہے یا نہیں؟ تو اللہ نے ان لوگوں کے دلوں میں تقویٰ کو پایا۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ادب سے گفتگو کرنا یہ تقویٰ کی علامت تھی۔ ان کے دلوں میں تقویٰ تھا، اس لیے وہ ایسا کرتے تھے۔

فائدہ (١٧) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم پر اجر بھی عظیم ملتا ہے

امتحان کیوں لیا جاتا ہے؟ --- تاکہ بندے کو کوئی درجہ دیا جائے۔ امتحان بلندی درجات کے لیے آتے ہیں اور پاس ہونے پر انعام بھی ملتا ہے۔ اس لیے فرمایا:

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

ترجمہ: ان لوگوں کے لیے مغفرت ہے اور بڑا عظیم اجر ہے۔

یہاں مغفرت اور اجر کو نکرہ لائے ہیں، پھر عظیم کو اس کا وصف بنایا۔ مطلب کہ ان کا اجر بہت بڑا ہوگا اور ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ مغفرت سے مراد ان کو دنیا میں انعام ملے گا اور اجر عظیم سے مراد ان کو آخرت میں بھی انعام ملے گا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم گناہوں کی مغفرت اور آخرت میں اجر عظیم کا سبب ہے۔

ایک نکتے کی بات ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صرف آواز کو پست رکھنے پر اجر عظیم ملتا ہے تو جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے سامنے اپنے آپ کو پامال کرتا ہے اس کو کتنا انعام ملے گا!!!؟

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝
"بلاشبہ جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔"

آیت کا سببِ نزول

اس کا سببِ نزول یہ بنا کہ ایک قبیلہ تھا بنو تمیم۔ اس کے کچھ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ملنے کے لیے حاضر ہوئے، اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیلولہ فرما رہے تھے۔ قیلولہ کہتے ہیں انسان دوپہر کے کھانے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے لیٹ جائے۔ بعض سالکین یہ سمجھتے ہیں کہ شاید ایک دو گھنٹے سونا ضروری ہے۔ قیلولہ میں سونا ضروری نہیں ہے۔ صرف لیٹ جانا تھوڑا Relax (آرام) کر لینا اس کو قیلولہ کہتے ہیں۔ عربوں میں ایک مقولہ ہے: ''تَغَدَّ تَمَدَّ تَعَشَّ تَمَشَّ'' (دوپہر کا کھانا کھاؤ تو لیٹ جاؤ، اور جب رات کا کھانا کھاؤ تو تم چلو پھرو) رات کے کھانے کے بعد چلنا ضروری ہے۔ آج سائنس کی دنیا نے بھی قیلولہ کی افادیت کو تسلیم کر لیا ہے۔ اس وقت بھی دنیا کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں کی Research (تحقیق) یہی ہے کہ جو بندہ دوپہر کو تھوڑی دیر قیلولہ کر لیتا ہے، اس کی صحت پر بھی اچھا اثر پڑتا ہے اور اس کی قوتِ یادداشت بھی دوسروں کی نسبت زیادہ بہتر ہوتی ہے--- تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیلولہ فرما رہے تھے کہ جب وہ لوگ آئے۔ وہ نئے لوگ تھے اور ملنے کے آداب سے واقف نہیں تھے۔ ان کو بتایا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں ہیں، آرام فرما رہے ہیں، لیکن انہوں نے حجرات کے باہر کھڑے ہو کر آواز لگانی شروع کر دی:

يَا مُحَمَّد! اُخْرُجْ اِلَيْنَا. ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ باہر آ جائیے۔''

جیسے کسی کو بلاتے ہیں، پکارتے ہیں۔ ان کو اندازہ نہیں تھا کہ مقامِ نبوت کیا ہوتا ہے؟ اور اس کے آداب کیا ہیں؟ تو انہوں نے جیسے ایک بندہ دوسروں کو بلاتا ہے اس طرح بلانا شروع کر دیا۔ جب بار بار پکارا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آنے میں چند منٹ تاخیر ہوئی تو ان میں سے بعض نے یہ بھی کہنا شروع کر دیا:

''اِنَّ مَدْحَنَا زَيْنٌ وَاِنَّ ذَمَّنَا شَيْنٌ.''

''ہم (بنو تمیم کے لوگ ہیں) جس کی مدح کرتے ہیں اس کو بہت اونچا اڑا دیتے ہیں اور جس کی بدتعریفی کرتے ہیں اس کو زمین پر گرا دیتے ہیں۔''

تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے اور ان کو سمجھانے کے لیے کہ

مقامِ نبوت کیا ہوتا ہے؟ یہ آیات اتاریں۔[1]

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے ان میں اکثر بے عقل ہیں۔

فائدہ (۱۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پکار کر بلانا بڑی بے عقلی ہے

بنوتمیم کے وہ لوگ جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آوازیں دیں تھیں، یہاں اللہ نے ان کا تذکرہ کیا کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے ان میں اکثر بے عقل ہیں۔

پکارنے والا تو ایک بندہ تھا، لیکن چوں کہ سب نے اسے نمائندہ بنایا تھا اس لیے اللہ نے پوری جماعت کو شامل کر کے بات کی اور پھر یہ کہ شریعت کا یہ مزاج نہیں کسی خطا کار کی نشاندہی کی جائے، بلکہ عمومی بات کی جاتی ہے، اس لیے یہاں جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ اللہ نے ان کو بے عقل کہا کہ یہ عقل سے فارغ ہیں، ان کی عقل کام ہی نہیں کرتی اور ان کے اندر تو عقل کی رتی ہی نہیں، کیوں کہ عقل تو حسنِ ادب کا تقاضا کرتی ہے، لیکن انہوں نے جاہلیت دکھائی اور بے ادبی کا مظاہرہ کیا، لہٰذا بے عقل ٹھہرے۔

فائدہ (۱۹) انسان کو چاہیے کہ ہمیشہ نپی تلی بات کرے

"اَكْثَرُهُمْ" کا لفظ کیوں کہا؟ سوچئے کہ اللہ تعالیٰ نے کلام میں کتنی احتیاط فرمائی! وہ تو "علیم بذات الصدور" (دلوں کے بھید جاننے والے) ہیں۔ وہ تو سب کو بے عقل فرما دیتے تو بھی ٹھیک تھا، مگر اللہ نے اکثر کا لفظ فرما دیا کہ یہ نہ ہو کہ سارے ہی اس لپیٹ میں آ جائیں، بلکہ احتیاط فرمائی کہ ان میں سے اکثر ہیں جو بے عقل ہیں۔ تو اگر اللہ رب العزت

---

[1] التحریر والتنویر: ۲۶/ ۲۲۴، ۲۲۵، الحجرات، الآیۃ: ۴

بات کرتے ہوئے اتنی احتیاط فرماتے ہیں تو بندے کو کتنی احتیاط کرنی چاہیے! اس میں ہمارے لیے سبق ہے کہ ہمیشہ سوچ سمجھ کر بولنا چاہیے اور نپی تلی بات کرنی چاہیے۔ ہم بات کرتے ہوئے کہہ دیا کرتے ہیں: سب جاہل ہیں، سب فلاں ہیں، سب ایسے ہیں۔ اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے۔

وَ لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
”اگر یہ لوگ یہاں تک صبر کرتے کہ آپ خود سے نکل کر ان کے پاس آجاتے تو یہی ان کے لیے بہتر ہوتا اور اللہ غفور و رحیم ہے۔“

فائدہ (۲۰) علماء و مشائخ سے ملاقات کا ادب یہ ہے کہ ان کا انتظار کیا جائے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَ لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ

بنو تمیم کے یہ لوگ آئے تھے اور انہوں نے آکر نبی ﷺ کو اونچا اونچا پکارنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے بارے میں کہا گیا کہ اگر یہ بے عقل لوگ اور کم فہم لوگ انتظار کر لیتے، حتیٰ کہ اللہ کے محبوب ﷺ خود تشریف لے آتے تو یہ بات ان کے لیے زیادہ بہتر ہوتی۔ اگر یہ لوگ صبر کر لیتے کہ آپ ان کی ملاقات کی نیت سے گھر سے باہر آتے۔ اس کا مطلب یہ کہ صرف گھر سے نکلنے کی بات نہیں کہ بندہ کسی ضرورت کی وجہ سے گھر سے نکلے تو انتظار کرنے والا ان کو پکڑ لے، نہیں! ان کا خیال کرے۔ ”اِلَيْهِمْ“ کا لفظ بتا رہا ہے کہ ملنے کی خاطر گھر سے آئیں تو تب ان سے گفتگو کرے۔

ہمارے ہاں جو محدثین تھے، ان کا یہی معمول تھا، وہ جب کسی محدث سے روایت لینے کے لیے جاتے تھے تو دروازے پر جا کر بیٹھ جاتے تھے۔ جب وہ اپنی منشا سے نکلتے تھے، تب وہ ان سے گفتگو کیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ جلیل القدر صحابی ہیں۔ مفسر قرآن تھے۔ نبی ﷺ نے ان کے لیے دو دفعہ دعا فرمائی۔ ”اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ“ (یا اللہ! ان کو کتاب کا علم عطا فرما) یہ اتنے بڑے صحابی ہیں۔ ان کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ جب حدیث شریف کی روایت لینے کے لیے کسی صحابی کے پاس جاتے تو گھنٹوں باہر کھڑے ہو کر انتظار

کرتے تھے اور ان کو بلاتے نہیں تھے۔ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

آج بھی علماء اور مشائخ سے ملاقات کا یہی ادب ہونا چاہیے کہ جب ملاقات کے لیے جائیں تو اطلاع کریں اور انتظار کریں کہ وہ ملاقات کے لیے خود تشریف لے آئیں۔

اعلانِ مغفرت

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

مراد یہ ہے کہ اللہ ان کے گناہوں کو بخشنے والا ہے اور ان پر رحمت کرنے والا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے دو الفاظ استعمال فرمائے ہیں: غفور اور رحیم۔ مفسرین نے لکھا ہے: اس میں حکمت ہے کہ یہ نئے نئے مسلمان ہورہے تھے، اللہ ان کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔ تو اے ایمان والو! جب اللہ ان کی بدتمیزی کو معاف کر رہا ہے تو تم پر جو پرانے مسلمان ہو، تم بھی بڑا دل کرو اور رحم کھاتے ہوئے ان کے ان قصوروں کو معاف کردو۔ لہٰذا اللہ نے بنو تمیم کے لوگوں کی اس گستاخی کو معاف کرنے کا اعلان بھی ساتھ فرمادیا۔

خلاصۂ آیات

ہم نے پہلی پانچ آیات پڑھ لیں، جن میں نبی ﷺ کے آداب سکھائے گئے۔ ان میں تین لفظ اہم ہیں: (۱) لَا تُقَدِّمُوْا (۲) لَا تَرْفَعُوْٓا (۳) وَلَا تَجْهَرُوْا۔ جو تین بنیادی آداب کو بیان کرتے ہیں۔

پہلا ادب: لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

دوسرا ادب: لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

اور تیسرا ادب فرمایا: وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ

نبی ﷺ کی بارگاہ میں ذرا سی بھی بے ادبی انسان کے تمام اعمال کے ضائع ہونے کا سبب بن جاتی ہے۔ وہ کیوں؟ اس لیے کہ یہ بے ادبی نبی ﷺ کی ایذا کا سبب بنتی ہے اور نبی ﷺ کی دل آزاری کرنا کفر ہے اور کفر سے انسان کے سب اعمال ضائع ہوجاتے ہیں۔

پہلی پانچ آیات میں ہم نے یہ مضمون سیکھا کہ نبی ﷺ کی عظمت دل میں رکھنی ہے۔ جب ان کا تذکرہ آئے تو دل میں عظمت پیدا ہوجائے، جہاں نامِ نامی اسمِ گرامی سنے

دل میں محبت آجائے۔ احساس ہو کہ واقعی! ہم کسی ہستی کا نام سن رہے ہیں جو اللہ کے محبوب ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کے احترام کو واضح فرمایا اور ان کے ساتھ تعامل کو کھولا۔ تو دیکھیے! خود سر لوگ جو جاہل تھے، جو کسی کو کچھ سمجھتے نہیں تھے، ان کی گردنوں کو جھکا دیا، ان کو بتا دیا کہ اگر تمہیں میرے محبوب ﷺ سے بات کرنی ہے تو تم تمیز کے ساتھ پست آواز کے ساتھ گفتگو کرو۔ یہاں تمہاری سرداری نہیں چلے گی اور یہاں تم اپنے آپ کو جھکاؤ گے تو تمہیں اللہ کی رضا نصیب ہوگی۔

تو پانچ آیتیں تھیں، اس میں انہوں نے ہمیں:

۞-- نبی ﷺ کی شان بھی سمجھا دی۔

۞-- اور محدثین اور فقہاء کی شان بھی سمجھا دی۔

۞-- اور پھر ان کے بعد اولیاء اللہ کی شان بھی سمجھا دی۔

۞-- جو اللہ کے نیک بندے تھے، ان کی بھی شان سمجھا دی۔

۞-- استاد کی بھی شان سمجھا دی۔

۞-- ماں باپ کی بھی شان سمجھا دی۔

ان چند آیات نے کتنے وسیع مضمون کو اپنے اندر سمیٹ لیا!! اللہ تعالیٰ ہمیں اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرما دیں۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن

۞-۞-۞

مقامِ صحابہؓ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ نِعْمَةً ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (الحجرات: ۶ تا ۹)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝
وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

سورۃ الحجرات کی پہلی پانچ آیات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کے متعلق ہیں (جنہیں ہم

پڑھ چکے ہیں) پھر اس کے بعد چار آیات صحابہ کرامؓ کے بارے میں ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ نے مقام صحابہ کو کھولا ہے۔ اب ہم ان آیات کی کچھ تفصیل بیان کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۞
”اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی سی خبر لائے تو اس کی تحقیق کیا کرو، کہیں کسی قوم پر بے خبری سے نہ جا پڑو، پھر اپنے کیے پر پشیمان ہونے لگو۔“

اس آیت میں ایمان والوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم اس خبر کی تحقیق کر لیا کرو کہ یہ خبر ٹھیک بھی ہے یا نہیں؟ اگر بغیر تحقیق کے کوئی قدم اٹھا لو گے تو ایسا نہ ہو کہ تم کسی دوسری قوم پر جا پڑو اور بعد میں تمہیں ندامت ہو کہ ہم نے تو جلد بازی کر لی۔

آیت کا پسِ منظر

آیت کی تشریح سے پہلے ہم اس کے Background (پسِ منظر) کے بارے میں کچھ جان لیتے ہیں۔

مکہ مکرمہ کے قریب ایک قبیلہ تھا بنی مصطلق۔ اس قبیلے کے لوگ بڑے جواں مرد، بہت بہادر اور نڈر ہوتے تھے، ان کا قبیلہ ”لڑاکا“ مشہور تھا۔ بلکہ مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان میں سے زیادہ کا پیشہ تو تھا ہی چوری ڈاکہ۔ یہ لوگ ڈاکے مارتے تھے، چوریاں کرتے تھے، ان کے لیے کسی بندے کو قتل کرنا معمولی بات ہوا کرتی تھی۔ اس قبیلے کے امیر کا نام حارث بن ضرار تھا۔ مسلمانوں کی اس قبیلے کے ساتھ جنگ ہوئی، اللہ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور بہت سارا مالِ غنیمت بھی عطا فرمایا۔

اس مالِ غنیمت میں اس قبیلے کی بہت ساری لڑکیاں باندیاں بنیں اور مسلمانوں میں ان کو تقسیم کر دیا گیا۔ ان میں سے ایک لڑکی کا نام تھا جویریہ، جو ایک صحابی کے حصے میں آئی۔ یہ لڑکی بڑی سمجھدار تھی، اس نے اس صحابی سے کہا کہ دیکھو! میں اپنے قبیلے کے امیر کی بیٹی ہوں۔

میرا تمہارے ساتھ کوئی جوڑ نہیں بنتا کہ تم مجھے اپنے پاس رکھو، تم میرے ساتھ کچھ پیسے طے کر لو، میں ان کا انتظام کر دیتی ہوں اور تم مجھے آزاد کر دو۔ وہ صحابی اس کے لیے تیار ہو گئے۔

یہ نوجوان خاتون اتنی سمجھدار تھی کہ صحابی سے بات طے کرنے کے بعد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک خاتون مجھے ملنے آئی۔ میں جب اس سے ملی تو اس کا اٹھنا بیٹھنا اور بات کرنا، بڑا متاثر کرنے والا تھا۔ لگتا تھا کہ یہ کسی بڑے گھرانے کی بیٹی ہے اور اس نے اتنے اچھے انداز میں بات کی کہ مجھے متاثر کر دیا۔ پھر وہ کہنے لگی کہ میں نبی ﷺ سے اپنی بات کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے کہا: تم کر لو بات۔ جب وہ نبی ﷺ سے بات کرنے گئی تو میں نے سوچا کہ یہ جتنے اچھے طریقے سے بات کرتی ہے، یہ ضرور نبی ﷺ کے دل میں اپنی جگہ بنا لے گی۔ خیر! وہ لڑکی جویریہ نبی ﷺ کے پاس آئی اور اس نے دو باتیں کیں۔

اس نے کہا: میں اپنے قبیلے کے سردار کی بیٹی ہوں، میں جس بندے کے پاس تھی، اس سے میں نے بات طے کر لی ہے کہ اتنے پیسے اسے میں دوں گی تو وہ مجھے آزاد کر دے گا۔ اگر میں چاہتی تو دوسرے لوگوں سے اپیل کرتی کہ میں سردار کی بیٹی ہوں، مجھے چندہ دو۔ لوگ مجھے ضرور چندہ دے دیتے، مگر ایسا کرنا میری عزت کے خلاف تھا، میں آپ کے پاس مشورہ کرنے کے لیے آئی ہوں، آپ مجھے مشورہ دیں کہ میں کیا کروں؟ اس نے اپنی بات اتنے اچھے انداز سے کہی کہ اشارہ بھی کر دیا اور کھل کر سوال بھی نہیں کیا۔ نبی ﷺ نے پوچھا: کلمہ پڑھ چکی ہو؟ اس نے کہا: جی! کلمہ میں نے پڑھ لیا ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: پھر میں تمہارے بارے میں بہت اچھا فیصلہ کرتا ہوں اور وہ یہ کہ میں تمہارے تمام پیسے بھی ادا کر دیتا ہوں اور تمہیں اپنی زوجیت میں بھی لے لیتا ہوں۔ اس پر وہ خوش ہو گئی کہ میں سردار کی بیٹی ہوں اور مسلمانوں کے سردار کے نکاح میں آنا میرے لیے اعزاز ہے۔ چناں چہ نبی ﷺ نے ان کو امّ المومنین بنا لیا۔ اس طرح اس قبیلے کے ساتھ نبی ﷺ کی رشتے داری ہو گئی۔

صحابہ کرامؓ نے سوچا کہ جب نبی ﷺ نے اس قبیلے کے ساتھ رشتے داری کر لی تو

اب ان کے مردوں کو غلام بنانا اور عورتوں کو باندی بنانا ہمیں زیب نہیں دیتا۔ لہٰذا سب صحابہ نے اس قبیلے کے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ جب اتنے لوگ آزاد ہوئے تو ان پر اس کا بڑا اچھا اثر پڑا کہ جی! ہمارے ساتھ تو بہت اچھا سلوک کیا گیا ہے کہ ایک لڑکی کے نکاح پر سب کو معافی مل گئی۔ [1]

چناں چہ وہ واپس لوٹے اور اپنے قبیلے والوں سے کہا کہ تم کلمہ پڑھ کے اسلام قبول کر لو اور ان مسلمانوں کے ساتھ ہو جاؤ، یہ بہت اچھے لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی، قبیلے کے تمام لوگوں نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد اس قبیلے والوں نے ڈاکہ مارنے اور چوری کرنے سے ہمیشہ کے لیے توبہ کر لی۔ دیکھو! نبی ﷺ کے ایک نکاح نے کتنے لوگوں کو ہدایت کا راستہ دکھایا۔

نبی ﷺ نے اس قبیلے کے سردار حارث بن ضرار سے فرمایا کہ تم نے نماز بھی پڑھنی ہے اور زکوٰۃ بھی ادا کرنی ہے، نماز جسمانی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تم اپنی قوم سے زکوٰۃ وصول کر کے ہمارے پاس پہنچا دینا۔ انہوں نے آگے سے کہا: اے اللہ کے نبی! میں اپنی قوم سے زکوٰۃ وصول تو کر لوں گا، البتہ یہاں لانے کے لیے آپ اپنا کوئی بندہ بھیج دیجیے گا، میں اس بندے کے حوالے کر دوں گا، آسانی ہو جائے گی۔ نبی ﷺ نے وعدہ فرما لیا اور ایک وقت طے ہو گیا کہ فلاں موقع پر اللہ کے محبوب ﷺ اپنے کسی بندے کو بھیجیں گے اور وہ ان سے زکوٰۃ لے کر مدینہ منورہ آ جائے گا۔

جب وہ وقت آ پہنچا تو نبی ﷺ نے اپنے ایک صحابی حضرت ولید بن عقبہؓ سے کہا کہ جاؤ اور اس قبیلے والوں سے زکوٰۃ لے کر آؤ۔ انہوں نے کہا: بہت اچھا اور یہ کہہ کر روانہ ہو گئے۔ راستے میں خیال آیا کہ میری تو اس قبیلے کے ساتھ دشمنی ہے۔ فلاں موقع پر ان کے ایک بندے کے ساتھ میرا جھگڑا ہوا تھا اور قبیلے والوں کو اس کا پتہ ہے، میں اکیلا اس قبیلے کی طرف جا رہا ہوں، یہ قبیلہ تو "لڑاکا قبیلہ" مشہور ہے، پتہ نہیں یہ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے ۔۔۔۔ جیسے بعض طبیعتیں ہوتی ہیں ذرا گھبرانے والی، اسی طرح وہ بھی گھبرا

[1] المستدرک علی الصحیحین، ۶۷۸۱، ذکر جویریۃ بنت الحارث ام المؤمنینؓ

گئے۔ اللہ جو کام کرنا چاہتے ہیں، اس کا سبب بھی بنا دیتے ہیں--- ہوا یوں کہ اُدھر سے حارث بن ضرار کے دل میں آیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندے کے آنے کا وقت قریب ہے، ہم ذرا بستی سے باہر نکلیں اور اس کا استقبال کریں۔ انہوں نے اپنے نوجوانوں سے کہہ دیا کہ چلو بھئی! ہم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندے کا استقبال باہر نکل کر کرتے ہیں۔ چناں چہ نوجوانوں نے تلواریں نکال لیں، نیزے لے لیے اور اس طرح تیار ہو کر باہر نکلے جیسے جنگ کرنے کے لیے باہر نکلتے ہیں۔ اِدھر سے اُس صحابیؓ کے دل میں پہلے سے ڈر تھا کہ کہیں یہ لوگ مجھے قتل نہ کر دیں۔ ان کو کیا معلوم تھا کہ ان کی نیت کیا ہے؟ جوں ہی انہوں نے ان کی کو تلواریں لے کر آتے دیکھا تو سمجھا کہ یہ لوگ مجھے قتل کرنے کے لیے آرہے ہیں۔ انسان ہے نا! جلد بازی میں فیصلہ کر بیٹھتا ہے۔ ڈر تو پہلے سے دل میں تھا، اوپر سے ان کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر اور یقین ہو گیا کہ یہ تو مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے، چناں چہ ان کے پاس جانے کے بجائے وہیں سے واپس آ گئے۔

واپس آ کر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہہ دیا: اے اللہ کے نبی! مجھے تو ان سے جان کا خطرہ تھا، وہ تو مجھے مارنے کے لیے نکل آئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا مطلب؟ وہ زکوٰۃ دینے کے لیے تیار نہیں ہے اور تمہیں مارنے کے لیے نکل آئے؟ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو چند مجاہدوں کا دستہ دے کر بھیجا کہ آپ جائیں اور جا کر تحقیق کریں کہ اصل معاملہ کیا ہے؟ خالد بن ولیدؓ بڑے بہادر تھے، سیف اللہ (اللہ کی تلوار) تھے، وہ چند نوجوانوں کو لے کر نکلے تو اُن کا ٹاکرا حارث بن ضرارؓ کے ساتھ ہو گیا۔

آپس میں ملاقات ہوئی تو اس نے خالد بن ولیدؓ سے پوچھا کہ آپ ایسے کیوں تلواریں لے کر جا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم نے سنا ہے کہ تم لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے، ہم تو تمہارے ساتھ قتال کرنے کے لیے آرہے ہیں۔ حارث بن ضرارؓ نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے پاس تو کوئی بندہ زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے آیا ہی نہیں۔ ان کو بتایا گیا کہ ولید بن عقبہ کو بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے کہا: جناب! ہم نے تو اس کی شکل تک نہیں دیکھی، انکار کرنا تو بعد کی بات ہے۔ ہم تو اس کے استقبال کے لیے نکلے تھے، اس نے اگر

ہمیں دور سے تلواروں کے ساتھ دیکھ لیا اور ڈر کر واپس چلا گیا تو اس میں ہمارا کیا قصور؟ اب معاملہ صاف ہو گیا۔

چناں چہ حضرت حارث بن ضرارؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور انہوں نے قسم کھا کر کہا: اے اللہ کے حبیب ! زکوٰۃ ہم نے لے رکھی تھی، ہم تو آپ کے غلام ہیں، ہم تو فرماں بردار ہیں، مسلمان ہیں، زکوٰۃ دینے کے لیے تیار ہیں۔ آپ کے نمائندے نے غلط فہمی کی وجہ سے آکر آپ کو ایسی رپورٹ دے دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خوشی کا اظہار فرمایا اور انہیں الوداع کہا اور یہ قبیلے والے واپس چلے گئے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس آئے کوئی فاسق خبر لے کر تو اس کی تحقیق کرلو۔

فائدہ (۲۱) کوئی بڑی خبر ملے تو اس کی تحقیق کرنی چاہیے

عربی زبان میں ''نَبَأٌ'' کہتے ہیں ''بڑی خبر'' کو اور خبر کہتے ہیں ''چھوٹی خبر'' کو۔ ''نَبَأٌ'' ہمیشہ بڑی ہوگی، چناں چہ سورۃ النبا میں آیا ہے: ''عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ﴿١﴾'' (کس چیز کے بارے میں یہ لوگ سوال کرتے ہیں؟) پھر فرمایا: ''عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ ﴿٢﴾'' (النبا: ۱، ۲) (بڑی خبر کے بارے میں) گویا کہ ہمیشہ بڑی خبر کو ''نَبَأٌ'' کہتے ہیں۔ خبر تو چھوٹی بھی ہو سکتی ہے اور بڑی بھی ہو سکتی ہے۔ ''نَبَأٌ'' چھوٹی نہیں ہوتی، بڑی ہی ہوتی ہے۔

چناں چہ فرمایا کہ اگر کوئی فاسق تمہارے پاس ''نَبَأٌ'' (بڑی خبر) لائے تو اس کی تفتیش کرلیا کرو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر معمولی بات کی تفتیش ضروری نہیں، بلکہ ایسی بات جس سے کسی دوسرے کے نقصان کا اندیشہ ہو، ایسی بات بغیر وضاحت کے مت مانو۔ اس کے متعلق تمہارے اوپر لازم ہے کہ اس کی تبیین و تحقیق (وضاحت) کرو کہ واقعی یہ بات سچی بھی ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی چھوٹی موٹی بات ہے تو بغیر تحقیق کے آنے والے کی بات مان لینے میں کوئی حرج نہیں۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل: ۱۸۴۵۹، حدیث الحارث بن ضرار.....

حقیقت تلاش کرو

"فَتَبَيَّنُوْٓا" کا لفظ بڑا عجیب ہے! آج ہماری لڑائی جھگڑوں کی اصل بنیاد جھوٹی خبریں ہوتی ہیں۔ ادھر سے واٹس ایپ آگیا، اُدھر سے میسج آگیا اور لوگوں نے اس پر یقین کرلیا کہ ہاں جی! یہ ٹھیک ہے۔ بھئی! قرآن مجید نے "فَتَبَيَّنُوْٓا" کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ تم حقیقت کو ڈھونڈو، حقیقت کیا ہے؟ بات ٹھیک بھی ہے یا نہیں؟ لوگ بات کا بتنگڑ بنالیا کرتے ہیں، بات کو اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ دوسرے کو صحیح حالات نہیں پہنچتے۔ اس لیے تفتیش ضروری ہے۔

فائدہ (۲۲) "خبر" کی تحقیق میں محدثین نے "اسماء الرجال" کا فن ایجاد کیا

محدثین نے اس "فَتَبَيَّنُوْٓا" کے لفظ سے مستقل ایک فن ایجاد کیا، جس کو "اسماء الرجال" کہتے ہیں، چناں چہ انہوں نے لاکھوں آدمیوں کے حالاتِ زندگی کو قلم بند کرکے ہر ایک کے متعلق یہ فیصلہ لکھا کہ فلاں بندہ سچا اور قابلِ اعتماد تھا، لہٰذا اس کی بات مانی جائے گی، جب کہ فلاں جھوٹا اور ناقابلِ اعتماد تھا، اس کی بات بطور دلیل پیش نہیں کی جاسکتی۔ اسلام کے علاوہ دنیا کے کسی اور مذہب کے پاس "اسماء الرجال" کا فن موجود نہیں ہے۔

محدثین کی روایتِ حدیث میں احتیاط

مثال کے طور پر جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں، اللہ نے قرآن مجید میں ان کے متعلق فرمایا: "لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ" [1] (ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔) گویا کہ جھوٹا بندہ "مردود الشهادة" بن جاتا ہے، چناں چہ اسی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے محدثین، حدیث کی روایت کرنے والے تمام راویوں کے حالات سے تفتیش کرتے تھے کہ وہ قابلِ اعتماد بھی ہیں یا نہیں؟ جب ان کو مکمل اعتماد ہوجاتا تھا کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں تو پھر آگے اس حدیث کی روایت کرتے تھے، ورنہ نہیں کیا کرتے تھے۔

---

[1] النور: ۴

محدثین کی اس معاملے میں احتیاط کا عالم یہ تھا کہ ایک محدث کسی دوسرے محدث کے پاس حدیث کی سند لینے کے لیے گئے۔ اس وقت ان کا گھوڑا بھاگا ہوا تھا، وہ اسے پکڑ رہے تھے تو یہ ان کو دیکھتے رہے۔۔۔ گھوڑے کو پکڑنے کے لیے کچھ حربے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔۔۔ وہ جو استاد تھے، انہوں نے فقط گھوڑے کو دکھانے کے لیے اپنا دامن ایسے کر لیا جیسے اس کے اندر دانے ڈالے ہوئے ہوں، اور پھر گھوڑے کو آواز دی کہ آ کر دانے کھالو۔ جب گھوڑا ان کے پاس آ گیا تو انہوں نے اسے پکڑ لیا اور باندھ دیا۔

پھر اس شاگرد سے پوچھا کہ بھئی! آپ کیسے آئے ہیں؟ انہوں نے کہا جی! میں تو آپ سے حدیث کی سند لینے کے لیے آیا تھا، لیکن اس سے پہلے مجھے یہ بتائیں کہ آپ نے گھوڑے کو پکڑنے کے لیے کیا حیلہ اختیار کیا؟ انہوں نے کہا: میرے پاس گھوڑے کو پکڑنے کے لیے دانے نہیں تھے تو میں نے اپنے دامن کو ایسے پکڑ لیا جیسے میرے پاس دانے ہوں، اس طریقے سے میں گھوڑے کو پکڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب بتاؤ! تم کون سی حدیث سننا چاہتے ہو؟ میں تمہیں حدیث سناتا ہوں۔ انہوں نے کہا: نہیں! میں آپ کی حدیث نہیں لینا چاہتا؛ اس لیے کہ جب آپ گھوڑے کو دھوکا دے سکتے ہیں تو انسان کو دھوکا کیوں نہیں دے سکتے؟ لہٰذا آپ حدیث بیان کرنے کے اہل ہی نہیں۔

مجہول الاسم سے روایت میں احتیاط

حضرات محدثین حدیث کی روایت کرتے وقت اتنی احتیاط کیا کرتے تھے کہ اگر کبھی درمیان میں کوئی ایسا راوی ہوتا جس کا نام معلوم نہ ہوتا تو اس حدیث کی بھی روایت نہیں کرتے تھے۔ ان کی نظر میں وہ حدیث اس وجہ سے ضعیف بن جاتی تھی کہ اس کی سند میں ایک ایسا راوی ہے جس کا نام ہمیں معلوم نہیں ہو سکا۔

مجہول الحال سے روایت میں احتیاط

اور بعض ایسے تھے کہ اگر ان کو کسی راوی کے نام کا پتہ چل جاتا، مگر اس کے حالات معلوم نہ ہوتے (کہ یہ کیسا بندہ تھا؟) تو اس کی روایت بھی نہیں لیتے تھے اور کہتے تھے کہ چوں کہ اس حدیث کے ایک راوی کے حالات کا پتہ نہیں ہے، لہٰذا مجہول الحال ہونے کی

وجہ سے اب یہ روایت ضعیف بن گئی ہے۔

مجہول الحال سے روایت لینی چاہیے یا نہیں؟ اس بارے میں محدثین کے دو گروہ ہو گئے۔ چناں چہ بعض نے کہا: کیا پتہ مجہول الحال راوی فاسق اور فاجر بندہ ہو، اس لیے ہم اس کی روایت کردہ حدیث نہیں لے سکتے۔ جب کہ بعض نے کہا کہ اگر چہ وہ مجہول الحال ہے، لیکن یہ امکان بھی تو موجود ہے کہ وہ بندہ متقی ہو اور پرہیز گار ہو۔

پھر سوال پیدا ہوا کہ اس بات کا پتہ کیسے لگایا جائے گا؟ اس پر محدثین نے ایک اصول بنا دیا۔ اور وہ یہ کہ اگر کوئی اکابر محدثین میں سے کوئی ایسا بندہ جس کی شہادت قبول کی جاتی ہے وہ اگر اس مجہول الحال کی بات کو قبول کر لیتا ہے تو ہم اس کی تصدیق سے اس روایت کو قبول کر لیں گے۔ پھر یہ سوال سامنے آیا کہ اس کی دلیل کیا ہے؟ جواب دیا گیا کہ اس کی دلیل قرآن مجید سے ملتی ہے۔ پوچھا گیا: اس کی دلیل کیا ہے؟ جواب آیا: دیکھو! حضرت یوسفؑ کی پاک دامنی کی گواہی ایک بچے نے دی تھی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا [1]

ترجمہ: اس کے اہل میں سے ایک بچے نے گواہی دی تھی۔

ہمیں نہ تو اس بچے کا نام معلوم ہے اور نہ ہی اس کے حال کی کچھ خبر، مگر چوں کہ اللہ نے قرآن مجید میں اس کی گواہی کا تذکرہ فرما دیا ہے، لہٰذا اللہ کی عظمت کو سامنے رکھتے ہوئے اس مجہول الحال راوی کی روایت کو بھی ہم قبول کر لیں گے۔ اس بنا پر ہمارے اکابر نے اس اصول کو زیادہ قبول کیا۔

اب دیکھیے! امام ترمذیؒ نے "سنن الترمذی" نامی ایک کتاب لکھی ہے، اس کتاب کی بہت بڑی شان ہے۔ یہ اتنی عظیم کتاب ہے کہ علماء کہتے ہیں: اگر یہ کتاب کسی گھر میں موجود ہو تو وہ گھر ایسا ہے جیسے اللہ کے نبی اس گھر میں کلام فرما رہے ہوں۔ اس کتاب میں بھی بعض احادیث ایسی ہیں جو اپنی روایت کے اعتبار سے ضعیف بنتی ہیں، مگر ہم ان کو اس لیے قبول کرتے ہیں کہ ان احادیث پر امام ترمذی جیسی بڑی شخصیت نے اعتماد کیا ہے۔

[1] یوسف: ۲۶

ضعیف حدیث اور موضوع حدیث کا فرق

اس زمانے میں کچھ سر پھرے لوگ ایسے بھی جو ضعیف حدیث کو موضوع حدیث سمجھ بیٹھے ہیں۔ ان کو شاید ضعیف اور موضوع کے درمیان صحیح فرق کا پتہ نہیں اور وہ ضعیف کا نام سنتے ہی کہنا شروع کر دیتے ہیں: بھئی! یہ تو ضعیف حدیث ہے، اس کو چھوڑ دو۔ چناں چہ انہوں نے اب ترمذی شریف کی صحیح اور ضعیف حدیثیں الگ الگ کر کے ایک نئی کتاب چھاپی ہے۔ اصل کتاب ایک تھی، انہوں نے اس کی دو کتابیں بنادی ہیں۔ عقل، بندے کو یہاں تک بھی دھوکا دے دیتی ہے۔

الحمدللہ! ہمارے اکابر نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ایسے اصول قائم کیے کہ اللہ کی تعلیمات کے مطابق ہر کام کو کر کے دکھایا۔ دیکھیے! ایک بندہ بیمار ہے، بہت بیمار، بہت بیمار۔ اس کو "ٹی بی" ہے، اس کو کینسر ہے یا کوئی اور بیماری ہے۔ وہ زندگی کی آخری سانس لے رہا ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ یہ چند گھنٹوں کا مہمان ہے، ایسے بندے کو آپ کس میں شامل کریں گے؟ زندوں میں یا مُردوں میں؟ ظاہری بات ہے کہ سانس جب تک ہے تو زندہ ہی سمجھیں گے، چاہے دو گھنٹوں کے لیے ہے، ایک گھنٹے کے لیے ہے یا چند لحات کے لیے۔ اس کا نام تو زندہ لوگوں میں شامل کیا جائے گا۔ اس کے برعکس ایک بندے کی موت واقع ہو چکی ہے، اب اس کو تو زندہ لوگوں میں شامل نہیں کر سکتے۔

اسی طرح ایک ہوتی ہے ضعیف حدیث۔ جب کسی حدیث کے راویوں میں سے کسی راوی پر کوئی جرح ہو جائے تو اس سے وہ حدیث ضعیف ضرور ہو جاتی ہے، لیکن موضوع نہیں کہلاتی۔ آپ اس حدیث کو موضوع نہیں کہہ سکتے۔ ٹھیک ہے اس کی سند میں ضعف آ گیا، کمزوری آ گئی، مگر ہے تو وہ احادیث میں شامل۔ ایسی احادیث کو محدثین نے فضائل کے باب میں شامل فرمالیا ہے۔ اس لیے ضعیف حدیث کو دیکھ کر ڈر نہیں جانا چاہیے۔ بھئی! اگر حدیث ضعیف ہے تو کیا ہوا؟ ہے تو حدیث مبارک۔ اس کے برعکس ایک ہوتی ہے موضوع حدیث۔ موضوع حدیث اس کو کہتے ہیں جو کسی نے اپنی طرف سے گھڑ لی ہو۔ اب ظاہر ہے کہ جب کسی نے اپنے پاس سے بنالی تو وہ حدیث ہی نہ ہوئی، اس کو تو احادیث

میں شامل کر ہی نہیں سکتے اور ایسی روایات سے احتراز لازم ہے۔

فضائل میں ضعیف حدیث کو قبول کیا جاتا ہے

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی حدیث ضعیف ہوتی ہے تو ہم مسائل کے استنباط میں اس کی بات نہیں کرتے۔ مسائل کے استنباط کے لیے صرف صحیح حدیثوں کو لیتے ہیں، لیکن جہاں فضائل کی بات آتی ہے تو وہاں ضعیف حدیث کو بھی قبول کرلیا جاتا ہے۔ فضائل میں ضعیف حدیث کو قبول کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جی! تبلیغی نصاب میں تو بہت ساری ضعیف حدیثیں ہیں، بھئی! ضعیف حدیثیں ہیں تو کیا ہوا؟ مختلف وجوہات سے حدیث کی سند میں ضعف آجاتا ہے، لیکن اس سے وہ حدیث موضوع تو نہیں بن جاتی۔ ہے تو حدیث! فضائل کے بارے میں سنائی جاسکتی ہے۔

دیکھیے! ایک "فَتَبَيَّنُوْٓا" کے لفظ سے دین کے کتنے مسائل ہمارے سامنے کھل گئے۔

فائدہ (۲۳) بلا تحقیق (سنی سنائی) بات فساد کا سبب بنتی ہے

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝

اگر تم آنے والے کی بات کو تحقیق کیے بغیر قبول کرلو گے تو خواہ مخواہ کسی کے دشمن بن جاؤ گے اور کسی سے لڑ پڑو گے۔ بعد میں جب مسئلہ کی حقیقت کھلے گی تو تمہیں ندامت ہوگی کہ میں نے جلد بازی میں ایسا کیوں کرلیا! اس لیے چاہیے کہ جب بھی اس قسم کی کوئی بات سننے میں آئے تو اس کو سن کر بندہ خاموش ہوجائے، اس کا ردِّ عمل دکھانے سے پہلے تحقیق کرلے کہ یہ بات ٹھیک بھی ہے یا نہیں؟ ایسا نہ ہو کہ اِدھر سے بات سنی اور اُدھر سے ٹر ٹر کرنی شروع کر دی۔ شریعت کہتی ہے کہ جب تم نے کوئی بات سنی، مگر اس کی تحقیق ابھی نہیں ہوئی تو ایسے اوقات میں ایک ماسکنگ ٹیپ لے لو اور اپنے منہ پر لگا کر اسے بند کرلو، کوئی بات مت کرو، خاموشی اختیار کرو، جب تک کہ اللہ تعالیٰ بات کو کھول نہیں دیتے اور حق واضح نہیں ہوجاتا۔

بے موقع سچ بھی فساد کا سبب بنتا ہے

ایک بات ذہن میں رکھیں! شریعت نے ہمیشہ سچ بولنے کا حکم دیا ہے، مگر سچ ہمیشہ اپنے وقت پر بولا جائے تو اچھا اور فائدہ مند ہوتا ہے، لیکن اگر وہ ہی سچ بے موقع بولا جائے تو فساد کا باعث بھی بن جاتا ہے۔ غیبت کو شریعت نے کیوں حرام قرار دیا ہے؟ کیا غیبت کرنے والا سچ نہیں بول رہا ہوتا؟ سچ ہی بول رہا ہوتا ہے، لیکن چوں کہ وہ بے موقع بات کر رہا ہوتا ہے، اس لیے شریعت کہتی ہے کہ اگر چہ تم نے سچ بولا ہے، لیکن تمھیں زیادہ سزا ملے گی؛ اس لیے کہ ''اَلْغِیْبَۃُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا'' [1] (غیبت زنا سے زیادہ برا عمل ہے)؛ اس لیے کہ زنا کرنے والا توبہ کرلے گا تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کردیں گے، مگر غیبت کرنے والے کو اس وقت تک اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں کرتے جب تک کہ وہ شخص معاف نہ کردے جس کی اس نے غیبت کی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت کرنے والا بڑا مجرم ہے۔

لوگ کہتے ہیں: جی! میں نے تو سچ بولا ہے۔ بھئی! سچ تو بولا ہے، مگر بے موقع بولا ہے، شریعت ایسا سچ بولنے کی اجازت نہیں دیتی۔ شریعت کہتی ہے کہ اگر آپ کو کسی بندے کے عیب کا پتہ چل جائے تو آپ کسی ایسے بندے سے اس کا تذکرہ کریں جو اس کی اصلاح کر سکتا ہو، مثلاً: اس کے باپ، خاوند یا بڑے بھائی کو بتائیں، وہ اسے سمجھائیں گے اور اس کی اصلاح ہو جائے گی۔ ایسے ذمہ دار لوگوں کے سامنے آپ کا سچ بولنا با موقع اور فائدہ مند ہو سکتا ہے، جب کہ عام لوگوں کے سامنے بیٹھ کر کسی کا عیب بیان کرنا، بے موقع سچ ہے، اور یہ گناہ (غیبت) کے زمرے میں آتا ہے۔

اس لیے اگر ہمیں کسی کی خامی کا پتہ بھی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ لوگوں کو بتائیں تو ہمارے پاس اس کے گواہ ہونے چاہئیں۔ ہاں اگر چار گواہ موجود ہیں تو ہم بات کر سکتے ہیں اور اگر گواہ موجود نہیں تو ہم بات نہیں کر سکتے۔ اگر ہم بات کریں گے تو ہم جھوٹے کہلائیں گے، حالاں کہ بات ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہوگی، بات کے ہم خود گواہ ہیں، مگر ہم زبان نہیں کھول سکتے۔ شریعت کہتی ہے: زبان کھولنے کے لیے چار گواہ ہونے

[1] شعب الایمان، رقم: ۶۷۴۲

ضروری ہیں، پھر اس بات کو تم پبلک میں کر سکتے ہو، ورنہ اپنے تک رکھو۔ ممکن ہے وہ بندہ توبہ کرلے، تم اس کی عزت پر کیوں بٹہ لگا رہے ہو؟ اور کسی بندے کے پاس گواہ بھی نہیں اور وہ زبان کھول دیتا ہے کہ جی میں نے تو یہ دیکھا۔ شریعت کہتی ہے: آؤ بھئی! چار گواہ لے کر آؤ کہ تمہارے ساتھ چار گواہ اور بھی ہیں، جنہوں نے اس جرم کو دیکھا ہو؟ اگر وہ کہتا ہے: جی! میرے پاس چار گواہ اور تو نہیں ہیں تو ''فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّھَدَآءِ فَاُولٰٓئِکَ عِنْدَ اللّٰہِ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ ''[1] (اور جو لوگ اپنی بات پر گواہ کو پیش نہ کر سکے، یہ بات کرنے والے اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں)۔ یہ بندہ بول سچ رہا تھا، اللہ کہتے ہیں: یہ بندہ جھوٹا ہے، گواہوں کے بغیر بات کر رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سچ اپنے موقع پر کہا جائے تو سچ ہوتا ہے، ورنہ وہ فساد کا باعث بنتا ہے۔ شریعت نے ہماری زبانوں کو بند کر دیا ہے۔

فائدہ (۲۴) سالکین کو بات کرنے میں احتیاط کی ضرورت ہے

اور آج کے دور میں تصوف وسلوک سیکھنے والے اور دوسرے عام لوگ اپنی زبان کا بالکل خیال نہیں کرتے۔ ادھر سے اخبار میں بات پڑھی اور ادھر سے باتیں کرنی شروع کر دیں۔ دیکھو جی! فلاں نے یہ کر دیا، فلاں نے یہ کر دیا۔ بھئی! آپ کو تحقیق ہے اس بات کی؟ آپ کے پاس گواہ موجود ہیں کہ اخبار کی خبر ٹھیک ہے؟ جی! گواہ تو کوئی نہیں، میں نے بس خبر پڑھی اور بات شروع کر دی۔ شریعت کہتی ہے: تم بات کرنے والے جھوٹے انسان ہو۔ اب آج کے بعد کبھی تمہاری شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ تم حدیث کو روایت کرنے کے اہل ہی نہیں ہو؟ اس لیے کہ تم جھوٹے ہو، مردود الشہادۃ بندے ہو۔

تو ''فَتَبَیَّنُوْٓا'' کا لفظ ہمیشہ ذہن کے اندر رہنا چاہیے کہ ہر اِدھر اُدھر کی سنی سنائی باتوں کو نقل نہیں کرنا ہوتا، بلکہ پہلے دیکھنا ہوتا ہے کہ یہ بات سچ بھی ہے یا نہیں ہے؟ اس لیے حدیث پاک میں نبی ﷺ نے فرمایا:

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ. [2] (صحیح مسلم، رقم: ۷)

ترجمہ: انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے کافی ہے وہ سنی سنائی باتوں کو آگے نقل کرتا پھرے۔

---

[1] النور: ۱۳ [2] صحیح مسلم، رقم: ۷

تو بتائیں! ہمارے اندر یہ عادت ہے نا اسنی سنائی باتوں کو آگے کرتے پھرتے ہیں اور تصدیق کیے بغیر کر لیتے ہیں۔ تو ہم سچے کہاں سے ہوئے؟ ہم تو شریعت کی نظر میں جھوٹے بنے۔ تو ایک لفظ نے زندگی کے کتنے بڑے مسائل کو آسان کر دیا اور مشکلات کو آسان کر دیا!۔

"فَتَبَيَّنُوٓا" "تم پہلے بات کی وضاحت کرو کہ بات سچ بھی ہے یا نہیں ہے؟" "أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝" "ایسا نہ ہو کہ تم جلد بازی میں قدم اٹھاؤ اور پھر تمہیں اپنے کیے پر ندامت اٹھانی پڑے۔

فائدہ (۲۵) "فاسق" کا لفظ صحابی کے لیے استعمال نہیں ہوا

اب کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ ذرا اعتراض سنیے گا! اعتراض کرتے ہیں کہ جی! اللہ نے صحابی کو "فاسق" کہا ہے، حالاں کہ نام لے کر تو "فاسق" نہیں کہا۔ مگر ان کا گمان یہ ہے کہ یہ جو آیت میں آیا ہے:

إِن جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓا

اس میں حضرت ولیدؓ صحابی جو خبر لائے تھے تو ان کو قرآن مجید میں "فاسق" کہا گیا ہے۔ نہیں ایسی بات نہیں۔ قاسم ابن عاشور نے "التحریر والتنویر" میں لکھا ہے کہ یہ لفظ حضرت ولیدؓ کے بارے میں نہیں ہے، یہ لوگوں کا اپنا گمان تھا۔ اب ہم ان کے گمان کو مانیں یا قرآن کو مانیں؟ قرآن کہتا ہے: اے میرے محبوب! آپ کے صحابہ کے تو ہم نے ایسے دل بنا دیے:

وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ

ترجمہ: ہم نے تمہارے اندر کفر اور فسق و فجور اور عصیان کی کراہت ڈال دی ہے۔

اب جس کے دل میں کراہت ڈال دی، کیا وہ فسق و فجور کا مرتکب ہو سکتا ہے؟ اگر ہم کہیں کہ ان کے لیے "فاسق" کا لفظ استعمال کیا گیا تو پھر تو قرآن میں تضاد آ گیا۔ قرآن کہتا ہے کہ ان کو اس کی کراہت عطا کر دی گئی اور ساتھ میں قرآن ان کے لیے "فاسق" کا لفظ بھی استعمال کر رہا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ قرآن میں اختلاف نہیں، لہٰذا ہم یہ گمان کر ہی

نہیں سکتے کہ "فاسق" کا لفظ ایک صحابی کے لیے استعمال کیا گیا۔

عجیب بات ہے کہ یہ اتنا بڑا مغالطہ ہے جو بعض دفعہ علماء کو بھی لگ جاتا ہے۔ ایک بڑے مفتی صاحب تھے، ایک دفعہ انہوں نے مجھے بٹھا کر مجھ سے یہ سوال پوچھا کہ میری عمر پچاس سال ہے، میں فتویٰ دیتا ہوں اور اللہ نے مجھے اتنی عزت دی ہے۔ میرے دل میں ایک اشکال ہے، جو دور نہیں ہو رہا۔ میں نے پوچھا کون سا؟ کہنے لگے: ایک صحابی کو "فاسق" کیوں کہا گیا؟ انہیں بھی یہی اشکال پیش کیا۔ پھر میں نے ان سے ایک سوال پوچھا۔ میں نے پوچھا: اللہ تعالیٰ خطاب کن سے کر رہے ہیں؟ کہنے لگے: ایمان والوں سے۔ میں نے پوچھا: اگر اللہ تعالیٰ رسول سے خطاب کرتے تو پھر کوئی گمان کر سکتا تھا کہ صحابی کے لیے "فاسق" کا لفظ استعمال ہوا؟ اللہ نے رسول ﷺ سے خطاب نہیں کیا، اللہ ایمان والوں سے خطاب کر رہے ہیں: اے ایمان والو!۔ "ایمان والو" میں تو بعد میں آنے والا کوئی بھی بندہ ہو سکتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایک عمومی کلیہ بیان کر دیا۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ قیامت تک آنے والوں کے لیے اللہ نے ایک اصول بیان کر دیا کہ اگر کبھی بھی کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تم اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ یہ لازم نہیں کہ یہ "فاسق" کا لفظ صحابی کے لیے استعمال ہوا ہے۔

اور پھر دوسری ہماری دلیل یہ ہے کہ اگر اس صحابی سے فسق و فجور کا ارتکاب ہوتا تو یہ ممکن نہیں تھا کہ اللہ کے حبیب ﷺ اس کو سرزنش نہ فرماتے۔ اللہ کے نبی ﷺ اس کو لازمی سرزنش فرماتے کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ نبی ﷺ نے ان کی بات کو سنا، سمجھ گئے کہ ڈر گیا تھا اور جلد بازی کا فیصلہ کر گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

اَلْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ. [1]

"جلد بازی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔"

بندہ کمزوری کی وجہ سے جلد بازی کے فیصلے کر لیتا ہے۔ یہ جلد بازی کے فیصلے تو وقت کے نبی بھی کر گئے۔ حضرت یونسؑ سے کیا ہو گیا تھا؟ ایک جلد بازی کا فیصلہ ہو گیا۔ جس کی

[1] سنن الترمذی، رقم: ۲۰۱۲، باب ما جاء فی التانی والعجلۃ

وجہ سے اللہ نے ان کو مچھلی کے پیٹ میں بند کر دیا تھا۔ ورنہ کوئی گناہ کا صدور نہیں ہوا تھا۔ صرف انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اب بادل آ گئے، قوم کے اوپر عذاب آ گیا، اب میں قوم کو چھوڑ کر چلا جاتا ہوں۔ اللہ نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ آپ نے جانے میں جلدی کیوں فرمائی؟ اور اس پر انہیں اللہ نے مچھلی کے پیٹ میں بند کر دیا تو یہ جلدی کا فیصلہ تو وقت کے نبی بھی کر جاتے ہیں۔ یہ انسان کی طبیعت ہے۔

اسی طرح ولیدؓ کے معاملے میں بھی نبی ﷺ نے کوئی ان کو سرزنش نہیں کی، ان کو ملامت نہیں کی۔ کیوں کہ نبی ﷺ سمجھ گئے تھے کہ انہوں نے جان بوجھ کر ایسی غلطی نہیں کی، یہ قابلِ معافی بات ہے۔ جب محبوب ﷺ نے انہیں معاف کر دیا تو کوئی ہے جو آج کہے کہ میں ان کو معاف نہیں کرتا تو یہ ''فاسق'' کا لفظ ان کے لیے استعمال نہیں ہوا، بلکہ یہ ایک عام قاعدۂ کلیہ ہے جو قیامت تک کے لیے اللہ نے بیان فرما دیا۔ یہ میرے اور آپ کے لیے ہے کہ ہمارے پاس اگر کوئی بندہ خبر لائے، آنے والا فاسق ہو سکتا ہے، ہم اس کی تحقیق کریں گے، جب تک تحقیق نہیں کریں گے ہم اس کے بارے میں اپنی زبان نہیں کھولیں گے۔

تو بات سمجھ آ گئی کہ یہ ''فاسق'' کا لفظ صحابی کے لیے استعمال نہیں ہوا، ایک عام قاعدۂ کلیہ بتایا گیا جنہوں نے اس کو صحابی پر لاگو کر دیا، یہ ان کا اپنا گمان ہے، یہ قرآن کی تعلیمات نہیں ہیں، ہم قرآن کو مانیں گے، ہم لوگوں کے گمان کو نہیں مانیں گے۔

فائدہ (۲۶) چار آیات زندگی کے مسائل کو حل کرتی ہیں

ان چار آیات نے صحابہ کرامؓ کے بارے میں ہمارے عقیدے کو بالکل واضح کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ زندگی کے جو مسائل تھے ان کو بھی کھول کر رکھ دیا۔ ان سے سبق ملتا ہے کہ سنی سنائی باتوں کو آگے پھیلا کر اختلافات کو ہوا نہیں دینی چاہیے۔ فتنے کو پھیلانا نہیں فتنے کو دبانا چاہیے۔ معاملات کو الجھانا نہیں معاملات کو سلجھانا چاہیے۔ دیکھو! ادھر سے کوئی ٹیلیفون آ گیا، کسی نے کوئی بات کر دی تو تم اس کو آگے مت کرو، اخبار میں خبر پڑھ لی، کوئی میسج پڑھ لیا تم یہ نہ سمجھ لو کہ یہ سب ٹھیک ہے، لوگ اپنے مقاصد کے لیے پتہ نہیں کس چیز کو کیا کیا بنا دیا کرتے ہیں؟

جھوٹی خبر سے گمراہ کرنے کی ایک مثال

اب اس کی میں اپنی زندگی سے ایک مثال بتا دیتا ہوں۔ ساؤتھ افریقہ کے ایک مفتی صاحب ہیں، ان سے کسی بندے نے ایک مسئلہ پوچھا۔ مسئلہ اس نے یہ پوچھا کہ جی! میری بیوی ایک شیخ سے بیعت ہے اور جب وہ شیخ آتے ہیں تو میری بیوی مجھے کہتی ہے کہ میں اب پندرہ دنوں کے لیے آپ کی خدمت سے بری ہوں، نہ میں کھانا بناؤں گی، نہ میں کچھ کام کروں گی اور میں نے تو بس شیخ کی مجالس میں جانا ہے اور ان کے مواعظ سننے ہیں اور ان کی نصائح سننی ہیں۔ اور دس پندرہ دن میری بیوی میرے گھر میں نہیں رہتی۔ کبھی مجھے کھانا ملتا ہے کبھی نہیں ملتا، آپ بتائیے! میری بیوی کا یہ عمل شریعت کے مطابق ہے یا نہیں؟

انہوں نے اس مسئلے کا جواب لکھ دیا۔ اب مسئلے کے جواب کا عنوان انہوں نے دیا ''میری بیوی اور اس کے شیخ''۔ نیچے مسئلہ یہ لکھا کہ جی! میری بیوی کا شیخ جب آتا ہے تو وہ اس کے بیان سننے کے لیے گھر سے چلی جاتی ہے اور انہیں کے بیانات میں دن رات لگی رہتی ہے اور مجھے کھانا بنا کر دیتی ہے، نہ گھر کا کوئی کام کرتی ہے۔ کہتی ہے: میں بارہ پندرہ دن گھر سے بری الذمہ ہوں۔ انہوں نے اس کا جواب لکھا: اس کا یہ عمل شریعت کے خلاف ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ یہ مسئلہ انہوں نے پوسٹ کر دیا۔ جو مخالفین تھے ان کو یہ مسئلہ کہیں سے مل گیا۔ انہوں نے یہ مسئلہ لیا اور مسئلے کے اوپر میرا نام لکھ دیا ''شیخ ذوالفقار احمد نقشبندی اور اس کی مریدہ'' اور اس کو واٹس ایپ پر ہر طرف چلا دیا۔ اب ہمیں بھی کسی نے کہا: جی! آپ کے بارے میں یہ میسیج پڑھا ہے۔ ہم نے کہا: بھئی! ہمیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی ایسی مریدہ ہو جو پندرہ دن اپنے خاوند کو کہے کہ میں آپ سے بری الذمہ ہوں۔ یہ چیز تو شریعت کے خلاف ہے، اب اگر کسی نے ایسا کیا ہے تو ہم تو خود کہتے ہیں: شریعت کے خلاف ہے، ہمیں تو پتہ ہی نہیں ہے۔

ہم نے جب اس کی تحقیق کی تو ہمیں پتہ چلا ہماری کوئی مریدہ عورت ایسی نہیں تھی۔ ہم نے اس شہر کے کسی بندے کو بھیجا کہ جا کر ان مفتی صاحب سے پتہ کرو کہ کیا آپ نے یہ فتویٰ میرے بارے میں دیا ہے؟ جب ان سے جا کر پوچھا تو مفتی صاحب نے قسم اٹھا کر

کہا کہ میرے ذہن میں ان کا نام ہی نہیں تھا۔

دیکھا! جو مطلب نکالنے والے ہوتے ہیں وہ اس طرح جھوٹی خبروں سے مطلب نکال لیا کرتے ہیں۔ جھوٹ کی بنیاد پر انہوں نے کتنوں کو گمراہ کیا ہوگا؟ تو قرآن کی تعلیمات کیا ہیں؟

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا

یہ "فَتَبَيَّنُوا" کا لفظ یاد کرلیں، چناں چہ جو علماء ہوتے ہیں وہ واقعی اس بات کے اوپر عمل کر کے دکھا دیتے ہیں۔

ایک مخالف کی بلا جواز مخالفت

ہمارے ایک مخالف صاحب تھے، اصل میں مخالفت تو تھی انہیں ہمارے بیٹوں سے، کہ یہ کہیں مسجد کو نہ سنبھال لیں۔ ان کا جی چاہتا تھا کہ مجھے اپنا نائب Declare (مقرر) کردیا جائے، اسی لیے اس نے یہ میسیج بھی پھیلایا کہ ان کے بیٹے تو خلافت کے اہل ہی نہیں ہیں۔ اللہ اکبر کبیرا! الحمد للہ، ثم الحمد للہ! اللہ رب العزت نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے اللہ نے دو شہزادے دیے اور وہ حافظ بھی ہیں، عالم بھی ہیں اور تصوف وسلوک میں انہوں نے میری آنکھوں کے سامنے اپنی زندگی گزاری ہے، تہجد پڑھنے والے ہیں اور ان کی زندگی پر میرا اتنا اطمینان ہے کہ میں نے ان کی زندگی میں ذمہ داری اپنے سر قبول کی اور انہیں اجازت و خلافت دی، تو یہ میرا اور اللہ کا معاملہ ہے نا! تم کہاں سے آگئے بات کرنے والے کہ جی! وہ اس کے اہل نہیں ہیں۔ اللہ نے مجھے اولاد دی ہے، میرے اپنے بیٹے ہیں اور اہل ہیں۔ اگر پہلی عمر میں چھوٹے تھے تو کوئی بات نہیں، اب تو چھوٹے نہیں، اب تو بڑے ہوگئے۔ اب تو اللہ نے ان کی صفات لوگوں پر کھول دیں، وہ اس قابل ہیں کہ وہ سنبھال سکیں تو وہ سنبھالیں گے۔ "اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِأَبِيهِ" میں کسی اور کو کیوں اپنا نائب بناؤں؟

تو ان کا سارا جھگڑا نائب بننے کا جھگڑا تھا۔ نہ بن سکے، اب ٹکریں مارتے پھر رہے ہیں کہ کسی طرح حضرت کے خلاف فتویٰ آجائے، خانقاہ کے خلاف فتویٰ آجائے، ان کا کام سرے سے بند ہوجائے۔ بھئی! جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے؟ تم الٹے بھی لٹک جاؤ، تم اس

کام کو بند نہیں کر سکتے۔ اللہ کی رحمت کا سایہ ہے، اللہ اس خانقاہ سے قیامت تک فیض کو جاری فرمائیں گے۔

میرے دو وزیر

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے اس دنیا میں دو وزیر ہیں: ایک ابوبکر اور ایک عمر۔ اور دیکھو! اللہ نے ابوبکرؓ وعمرؓ سے دین کا کام لیا یا نہیں لیا؟ میرا دل یہ کہتا ہے کہ اللہ نے مجھے بھی دنیا میں دو وزیر دیے ہیں: ایک میرا بیٹا حبیب اللہ اور ایک میرا بیٹا سیف اللہ۔ آپ دیکھنا! اللہ ان سے دین کا کام لیں گے اور اللہ ان کو نسبت کی اشاعت کے لیے قبول فرمائیں گے۔ میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ نے میرے بیٹوں پر احسان فرمایا اور ان کو دین کی لائن پر لگایا اور میری زندگی میں اللہ نے ان کو دین کا کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

حبیب اللہ کی عمر جب دو مہینے کی تھی، چھوٹا بچہ تھا، حضرت مرشدِ عالمؒ ہمارے گھر تشریف لے آئے۔ میں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ حبیب اللہ کو تیار کردو، میں حضرت کو پیش کروں گا۔ اس نے بچے کو کپڑے اچھے پہنائے، خوشبو لگائی اور میں نے بچے کو اٹھایا اور حضرت مرشدِ عالمؒ کے پاس لے کر آیا۔ میں نے کہا: حضرت! اللہ نے مجھے بیٹا عطا کیا ہے۔ حضرت مسکرائے، خوش ہوئے اور حبیب اللہ کو ہاتھ میں لے کر حضرت نے فرمایا: خواجہ صاحب! خواجہ صاحب! کیا حال ہے؟ جب حضرت نے فرمایا: ''خواجہ صاحب! خواجہ صاحب!'' تو مجھے حیرت ہوئی!! میں نے پوچھا: حضرت! یہ ''خواجہ صاحب'' کہاں سے آگیا؟ یہ تو میرا بیٹا ہے اور میں تو خواجہ صاحب والے خاندان میں سے تو نہیں ہوں۔ حضرت نے فرمایا: دیکھو! کبھی نسبت باپ سے چلتی ہے اور کبھی نسبت ماں سے چلتی ہے۔ اللہ نے اس کی ماں کو صدیقی خاندان میں پیدا کیا ہے اور خواجہ عبدالمالکؒ کی نسبت ماں کے ذریعے اس بچے کو مل چکی ہے۔ یہ بچہ دو ماہ کا تھا، حضرت مرشد عالمؒ نے اس کو ''خواجہ صاحب'' کہا تھا۔ اب اگر میں اس ''خواجہ صاحب'' کے اندر یہ حالات دیکھ رہا ہوں نیکی کے اور میں نے تصدیق کردی اور اس کو اجازت دے دی تو اس پر کسی کو حسد نہیں کرنا چاہیے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ

الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ [۱]

"فَتَبَيَّنُوْا" کے ضمن میں منفی پراپیگنڈہ کی وضاحت

شریعت نے ہمیں "فَتَبَيَّنُوْا" کا لفظ فرمایا۔ اس لیے ہمیشہ جو کوئی بات سنیں، پہلے اس کی تحقیق کریں۔ جب تحقیق ہو جائے کہ یہ بات ٹھیک ہے، پھر اس بارے میں کوئی رائے قائم کریں، ورنہ ٹیپ لگا کر اپنی زبان کو بند کر لیں۔ کوئی پوچھے بھی سہی تو کہیں: جی! میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جو زبان کھولے گا، اللہ فرماتے ہیں:

فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿۱۳﴾ [۲]

اللہ کے ہاں وہ بندہ جھوٹا بنے گا، غیبت کا مرتکب بنے گا اور اپنے لیے جہنم کا راستہ ہموار کرے گا۔

ہزاروں لوگ اس وقت سامنے بیٹھے ہیں، آپ بتائیے کہ مخالفین نے اس خانقاہ کے بارے میں کیا کیا منفی پراپیگنڈہ نہیں کیا؟ آپ نے کبھی اس عاجز کی زبان سے کوئی لفظ سنا؟ میرے اندر بھی دل ہے، میرے بھی احساسات ہیں، مجھے بھی دکھ ہوتا ہے، میں بھی کئی مرتبہ تنہائی میں بیٹھ کر روتا ہوں، مگر کبھی میں نے اپنی زبان نہیں کھولی؛ کیوں کہ میں نے اپنے بڑوں سے دین کو سیکھا، مجھے پتا تھا کہ میں کسی بات کے اوپر بات تب کروں گا جب موقع آئے گا۔ آج شریعت نے مجھے موقع دیا کہ میں اس بات کو کھولوں تو میں نے قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہوئے "فَتَبَيَّنُوْا" کے لفظ کے سامنے اپنی حقیقتِ حال کو کھول دیا۔ تو میں نے گویا قرآن مجید کی تعلیمات کے سامنے اس معاملے کو سمیٹ دیا، لہٰذا آج کے بعد ایسے منفی پراپیگنڈہ کو زمین میں دفن کر دیں۔ کوئی آپ سے بات کرے تو اس کے منہ کو بند کر دیں اور اگر کوئی بندہ اپنی زبان بند نہ کرے تو آپ اس سے اپنا تعلق ہی چھوڑ دیں۔ ارادت شیخ سے ہوتی ہے اور محبتیں دوستوں سے نبھاتے پھرتے ہیں۔ او جی! فلاں سے میری دوستی تھی، اس نے مجھے میسیج بھیج دیا تھا۔ بھئی! کہاں گئی تمھاری دوستی؟ تم کتنے بے غیرت بیٹے ہو جو

---

[۱] الحدید: ۲۱ [۲] النور: ۱۳

اپنے باپ کے بارے میں ایسی باتیں برداشت کرتے ہو!!؟

کتے سے بدتر مرید

مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ میں۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے:

"جو مرید اپنے شیخ کے بارے میں بات کرے، کتا اس سے زیادہ بہتر ہے۔"

یہ الفاظ ہیں حضرت مجدد الف ثانی کے، کیوں کہ کتا وفادار ہوتا ہے، یہ مرید اپنے شیخ کا وفادار نہیں۔ یہ کتے سے بھی بدتر ہے۔ بے غیرت بیٹے کو آپ کیا کہیں گے؟ یہ بات ذہن میں رکھیے! آج کسی کو کچھ دینا بہت آسان ہے، کل جب قیامت کے دن اللہ کے سامنے کھڑا ہونا پڑے گا اور اللہ پوچھیں گے بتا! تو نے فلاں کو ذلیل کیوں کہا؟ فلاں کو کمینہ کیوں کہا؟ فلاں کو یہ کیوں کہا؟ اس وقت کوئی ماں نے ایسا بیٹا نہیں جنا جو اللہ کے سامنے کھڑا ہو کر جواب دے سکے گا۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝
"اور جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے، اگر وہ بہت سی باتوں میں تمہارا کہنا مان لے تو تم لوگ خود ہی مشکل میں پڑ جاؤ، لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت سے نواز دیا اور اس کو محبوب بنا دیا تمہارے دلوں میں اور تمہارے اندر نفرت و کراہیت پیدا کردی کفر، نافرمانی اور گناہ سے۔ ایسے ہی لوگ راہِ راست پر ہیں۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو پہچانو

اس کے بعد فرمایا:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ

"ایمان والو! جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول موجود ہیں۔"

تم اللہ کے رسول کی عظمت کو پہچانو، یہ وہ ہستی ہے کہ جن کی بات وحی کی مانند ہے،

ہاں! اس کی تلاوت نہیں کی جاتی، جس زبان سے تمہیں قرآن ملا، اسی زبان سے تمہیں نبی ﷺ کا فرمان ملا۔ وہ اپنی مرضی سے نہیں بولتے، وہ اللہ کی وحی سے بولتے ہیں۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم: ۳-۴)

محبوب کی زبان سے جو بات نکل گئی، اب یہ بات کوئی عام بات نہیں ہے۔ یہ وحی ہے، مگر حدیث ہے۔ اس کی تلاوت نہیں کی جائے گی، اس لیے اس کا اپنا بھی ایک احترام ہے۔ تم محبوب کی بات کو معمولی نہ سمجھو۔ تم ہمیشہ اس بات کو ذہن میں رکھو جن سے گفتگو کر رہے ہو وہ کون ہیں؟ اللہ کے رسول ہیں!!

لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ

"اگر وہ اکثر باتوں میں تمہاری بات کو مان لیں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے۔"

فائدہ (۲۷) آسانی اور کامیابی اتباعِ رسول ﷺ میں ہے

میرے محبوب پر تو کوئی بات نہیں ہوگی، تمہیں مصیبت آجائے گی؛ اس لیے کہ اللہ نے ان کو تو معاف فرما دیا ہے اور تم سے پوچھا جائے گا اور تمہیں جواب دینا پڑے گا، لہٰذا اگر تم اپنی رائے دو گے اور اس کو مسلط کرنے کی کوشش کرو گے تو تم خود مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔

فائدہ (۲۸) صحابہؓ کے رشد وہدایت کی گواہی اللہ نے دی ہے

صحابہ کرام کے ایمان اور رشد وہدایت پر ہونے کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے دی، فرمایا:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

"لیکن اللہ نے تمہارے دل میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اسے تمہارے دلوں میں پرکشش بنا دیا ہے۔"

دیکھیے! اللہ رب العزت صحابہ کرامؓ کے ایمان کی تعریف فرما رہے ہیں کہ اللہ نے تمہارے ایمان کو مزین کر دیا اور تمہارے دلوں میں اس کو محبوب بنا دیا۔

وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝

"اور اللہ نے تمہیں کفر سے، فسوق سے اور عصیان سے کراہت عطا فرما دی اور یہی

لوگ رشد و ہدایت والے ہیں۔"

اب دیکھیں! یہ کس کا کلام ہے؟ اللہ کا ہے جو دلوں کا بھید جاننے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے دلوں کو دیکھا اور بالآخر فیصلہ فرمادیا کہ میرے محبوب نے ایمان والوں کی ایسی جماعت تیار کی ہے کہ "وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ" اللہ نے ان کے دلوں میں کفر کی، فسق و فجور کی اور عصیان کی کراہت ڈال دی ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ

"یہ لوگ ہیں رشد و ہدایت والے۔"

یہ ہدایت ملنا بھی اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ مومن جنت میں جا کر بھی اقرار کرے گا:

وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ لَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ (الاعراف: ۴۳)

"اگر اللہ ہدایت نہ دیتے تو ہم ہدایت نہ پاتے۔"

کتنے علماء ایسے تھے جو معتزلہ بن گئے، خارجی بن گئے، گمراہ ہو گئے۔ کتنے لوگ ہیں جو قرآن کے نام پر حدیث کا انکار کر بیٹھے اور کتنے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ صحابہ معیارِ حق نہیں ہیں۔ یہ کیا ہے؟ گمراہی ہے۔ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خود نہیں دیکھا، ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پہنچائیں، اگر وہ معیارِ حق نہیں تو پھر ہدایت کا راستہ بند ہو گیا، اس لیے صحابہ کی ہدایت کی گواہی اللہ نے دے دی:

اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ نِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝
"محض اللہ کے فضل اور اس کے احسان سے، اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے، نہایت حکمت والا ہے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اللہ کا خاص فضل

یہ جو صحابہ کرام کو رشد و ہدایت ملی ہے، اللہ فرماتے ہیں یہ تو اللہ کا فضل ہے اور اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے اور اللہ علیم بھی ہے اور حکیم بھی ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ اللہ نے ان کو کیوں

محبوب کا صحابی بنایا؟ اس مقصد کے لیے کیوں چنا؟ اللہ تعالیٰ یہ حکمت جانتا ہے۔ اور اللہ علیم ہے، اللہ کو ان کے دلوں کی کیفیت کا پتہ ہے۔

فائدہ (۲۹) صحابہؓ پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا

جب اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی گواہی دے دی تو اب بتائیے! کوئی بندہ ان کے اوپر اعتراض کر سکتا ہے؟ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں:

الصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عَدُوْلٌ [۱]

"سارے کے سارے صحابہ عادل ہیں۔"

عادل سے مراد کہ ان کے اوپر کوئی الزام نہیں لگا سکتا۔ وہ حدیث کو بیان کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر سب صحابہؓ کو فرمایا تھا:

"فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ." [۲]

"جو تم میں سے یہاں آ گئے، وہ میری باتوں کو غائب لوگوں تک پہنچائیں۔"

تو صحابۂ کرام کو یہ تبلیغ کی ڈگری کس نے دی؟ اللہ کے حبیب ﷺ نے دی کہ میری حدیثوں کو لوگوں تک پہنچاؤ۔ یہ اجازت ان کو کس نے دی؟ نبی ﷺ نے صحابہ کو یہ اجازت دی کہ تم میں سے جو بندہ موجود ہے وہ میری اس بات کو دوسروں تک پہنچائے۔ تو اب کوئی بندہ اس صحابی کی تفتیش کر سکتا ہے کہ جی وہ عادل تھے یا نہیں تھے؟ جب نبی ﷺ نے سرٹیفکیٹ دے دیا، تمہیں کس ماں نے جنا ہے کہ بھئی! تم ان کی جرح اور تعدیل کرنے لگ گئے؟ اسی لیے ہمارے حضرات نے ایک قانون بنایا کہ جرح اور تعدیل کے جتنے قوانین ہیں وہ صحابہ کے بعد شروع ہوتے ہیں۔ صحابہ جو تھے كُلُّهُمْ عَدُوْلٌ سارے کے سارے عادل تھے، محبوب کے صحبت یافتہ تھے، اس لیے کوئی بندہ ان کی ناپ تول نہیں کر سکتا۔ ہماری یہ اوقات نہیں کہ ہم صحابہ میں سے کسی کی ناپ تول کریں۔ صحابہ کو جب نبی ﷺ نے حدیث کی آگے روایت کا سرٹیفکیٹ دے دیا تو ان کو وہ سعادت مل گئی۔ نبی ﷺ نے جب فرما دیا:

[۱] أضواء علی السنۃ المحمدیۃ: ۱/ ۳۶۴ [۲] صحیح البخاری، رقم: ۱۷۳۹، باب الخطبۃ أیام منی

اَللّٰهَ اللّٰهَ فِيْ أَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا بَعْدِيْ.

"میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرنا اور ان میں کسی کے ساتھ دل میں کوئی کجی مت رکھنا۔"

فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ أَبْغَضَهُمْ.

"جو ان سے محبت کرے گا وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھے گا۔" [1]

تو صحابہ کے ساتھ محبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کی دلیل ہے اور صحابہ کے ساتھ بغض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بغض کی دلیل ہے۔ صحابہؓ کے بارے میں دل کے اندر ہمیشہ محبت ہونی چاہیے، اکرام ہونا چاہیے۔ یہ وہ چنی ہوئی جماعت تھی جس کو اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چنا۔ اگر ہم صحابہؓ پر اعتراض کریں گے تو یہ صحابہ پر اعتراض نہیں ہوگا، یہ ان کے استاذ پر اعتراض ہوگا کہ کرنے والے نے ان کی تربیت اچھی نہیں کی، بنانے والوں نے ان کو اچھا نہیں بنایا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض جاتا ہے، اس لیے ہم صحابہ کے اوپر اعتراض نہیں کر سکتے۔ پوری کائنات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسے شاگردوں کی کوئی جماعت دنیا میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی جماعت دی کہ جو بے مثال جماعت تھی۔ نہ ان سے پہلے ایسے لوگ گزرے، نہ ان کے بعد ایسے لوگ گزریں گے۔ یہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت تھی۔

شاگردوں کی تین عجیب جماعتیں!

۱- پہلی جماعت: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد جیسے تھے کائنات میں ایسے شاگرد کسی اور استاذ کے نظر نہیں آتے، پکی بات ہے۔

۲- دوسری جماعت: امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بھی شاگرد تھے جو تقریباً ایک سو چالیس تھے، جیسے شاگرد ان کے تھے ایسے شاگرد پوری امت میں کسی اور استاذ کے نظر نہیں آتے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ایک ایک شاگرد ایسا ہے جو امام بخاریؒ کے استادوں کا بھی استاد بنا۔ اس لیے ان کو "امام اعظم" کہتے ہیں۔

---

[1] سنن الترمذی، رقم: ۳۸۶۲، باب: فیمن سب أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں، ان کا حدیث شریف میں اتنا مقام ہے کہ ان کو ''امیر المومنین فی الحدیث'' کہا گیا، یعنی اسماء الرجال کا فن اگر پڑھیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ جو تعریفی الفاظ عبداللہ ابن مبارکؒ کے لیے استعمال کیے گئے ہیں وہ تعریفی الفاظ امام بخاریؒ کے لیے بھی نہیں استعمال ہوئے۔ داؤد طائیؒ تقویٰ کے پہاڑ تھے۔ امام محمدؒ زبان دانی کے ماہر تھے۔ اللہ نے امام ابوحنیفہؒ کو بڑی عظمت عطا فرمائی تھی۔

۳- اور تیسری جماعت: قریب کے زمانے میں آئیں تو ایک اور بزرگ گزرے ہیں حضرت شیخ الہندؒ۔ جیسی حضرت شیخ الہند کی جماعت گزری ہے دنیا میں اس کے بعد کوئی ایسی جماعت نہیں گزری۔ ان کے شاگرد کون تھے؟ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا الیاسؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔ آپ دیکھیں! ان جیسے شاگردوں کی جماعت کہیں اور نظر نہیں آتی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ انفرادیت عطا فرمائی، پھر اس کے بعد امام ابوحنیفہؒ کو عطا فرمائی اور پھر اس کے بعد حضرت شیخ الہند کو عطا فرمائی۔

تو شاگردوں کی عظمت استاذ کی عظمت کی دلیل ہوتی ہے۔ اگر کوئی صحابہ کرامؓ پر اعتراض کرے گا تو حقیقت میں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کر رہا ہوگا، جنہوں نے ان کی تربیت فرمائی ہے۔

فائدہ (۳۰) صحابہ کرامؓ ایمان کا معیار تھے

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ ایمان کا معیار تھے۔ اللہ فرماتے ہیں:

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا (البقرۃ: ۱۳۷)

''اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو یہ راہِ راست پر آجائیں گے۔''

تو اللہ نے صحابہؓ کے ایمان کو معیار کے طور پر قرآن میں پیش کیا ہے۔ جب قرآن میں اللہ نے ان کو معیارِ ایمان کے طور پر پیش کیا تو ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ صحابہ ایمان کے لیے معیار کی مانند ہے۔ اب اگر کوئی بندہ کہے کہ فلاں صحابیؓ سے گناہ ہوگیا تھا، فلاں سے ہوگیا تھا۔

ہاں بھئی! انبیاء معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء محفوظ ہوتے ہیں۔ ان سے گناہ ہوئے نہیں، اللہ نے گناہ کروادیے تھے، تاکہ امت کے سامنے گناہ سے توبہ کرنے کے مسائل کھل جائیں۔

ایک صحابی کو سنگسار کیا گیا، حضرت عمرؓ نے کوئی سخت بات کر دی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: عمر! اس نے ایسی سچی توبہ کی ہے اگر اس کے ثواب کو پورے مدینے والوں میں تقسیم کر دیا جاتا اللہ پورے مدینے والوں کے گناہوں کو معاف فرما دیتے۔ [1] تو ان کی توبہ بھی ہمارے لیے ایک معیار بن گئی تو اللہ نے یہ کام ان سے کروادیے تھے۔

جیسے حضرت بلالؓ سو گئے اور نماز قضا ہو گئی تو انہوں نے بتایا کہ میں سویا نہیں، مجھے اللہ نے سلا دیا ہے۔ [2] اگر وہ نہ سوتے اور نماز قضا نہ ہوتی تو قضا نماز کا مسئلہ سامنے کیسے آتا؟ اسی لیے صحابہ کرامؓ سے بعض ایسے کام بھی سامنے آتے ہیں، مگر وہ مشیت ایزدی کی وجہ سے ہوئے۔

صحابہ کرامؓ پر ایک اعتراض کا جواب

اب بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جی صحابہ کرامؓ کی آپس میں لڑائیاں ہوئیں۔ جی ہاں! بالکل ہوئیں، ہو جاتی ہیں۔ آپ دیکھیں کہ دو نبی ہیں، ایک موسیٰ علیہ السلام ہیں جو نبی ہیں اور دوسرے ہارون علیہ السلام وہ بھی نبی ہیں۔ اور ان کے درمیان اتنی بات بڑھی کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کی داڑھی کو پکڑ لیا۔ قرآن کے الفاظ ہیں:

يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ (طٰہٰ: ۹۴)

”اے میرے ماں جائے! میری داڑھی نہ پکڑ اور سر کے بال نہ کھینچ۔“

قرآن مجید میں اس کا تذکرہ ہے، ایک نبی دوسرے نبی کی داڑھی پکڑ رہے ہیں۔ تو بات کی حقیقت کو تو سمجھو نا! کہ ہوا کیا تھا؟ ہوا یہ تھا کہ موسیٰؑ ہارونؑ کے ذمہ لگا کر گئے تھے کہ قوم کا خیال رکھنا۔ خود کوہ طور پر چلے گئے تھے، پیچھے قوم کے خود سر لوگوں نے بچھڑا بنا لیا تھا اور اس کی عبادت کرنی شروع کر دی تھی۔ ہارونؑ نے ان کو منع تو کیا تھا، مگر وہ تعداد میں

---

[1] صحیح مسلم، رقم: ١٦٩٦، باب: من اعترف علی نفسہ بالزنی

[2] صحیح مسلم، رقم: ١٥٩٢، باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ واستحباب تعجیل قضائہا

زیادہ تھے، بات نہیں مانتے تھے۔ وہ اپنی ضد کے اوپر جمے رہے اور شرک کرتے رہے۔ جب موسیٰؑ آئے اور ان کو پتہ چلا کہ میری قوم تو بچھڑے کی پوجا کرتی ہے۔ وہ اللہ کی توحید کے اوپر اتنے فدا تھے کہ ان سے یہ بات برداشت نہیں ہو سکی اور اس غصے میں انہوں نے اپنے بھائی کی داڑھی کو پکڑ کر کہا: آپ نے ان کا کیوں خیال نہیں رکھا؟ انہوں نے پھر انہیں سمجھایا: میرے بھائی! میری ماں کے بیٹے! میں نے تو انہیں سمجھایا تھا، یہ طاقت والے تھے، زیادہ تھے، انہوں نے میری بات نہیں مانی، میرا اس میں کیا قصور ہے؟ تو بات واضح ہوگئی۔ مگر دیکھنے میں تو یہی ہوا نا! کہ ایک نبی نے گویا دوسرے نبی کی داڑھی کو پکڑ لیا۔ تو صرف یہ کہہ دینا کہ صحابہ کی آپس میں لڑائیاں ہوئیں، یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

اس کی ایک بنیادی وجہ ہے۔ وجہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی مبارک زندگی میں امن کے مسائل کو کھول کر بیان فرما دیا اور جو آپس میں جنگ کے مسائل تھے وہ نہیں کھلے؛ کیوں کہ اللہ نے محبوب ﷺ کی زندگی میں مسلمانوں میں جنگ نہیں ہونے دی۔ اگر جنگ ہو جاتی تو لوگ اعتراض کرتے کہ کیسے رسول تھے کہ ان کی زندگی میں ہی ان کے شاگرد آپس میں قتال کیا کرتے تھے۔ یہ طعن کس پر جاتا؟ نبی ﷺ پر جاتا۔ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو اس سے پاک فرما لیا۔ اللہ کی مشیت سے محبوب ﷺ کی زندگی میں جنگ نہیں ہوئی۔ ہاں صحابہؓ کی زندگیوں میں غلط فہمیوں کی وجہ سے آپس میں جنگ بھی ہوئی، پھر صلح بھی ہوئی، تاکہ جنگ کے مسائل واضح ہو جائیں۔ اللہ نے چاہا کہ آنے والے مسلمانو! تمہارے لیے شریعت مکمل ہو جائے گی، تم امن کے مسائل محبوب کی زندگی سے لینا اور جنگ کے مسائل ان کے صحابہ کی زندگی سے لینا۔ اب بتائیں! صحابہ کی جنگ ہونا اللہ کی نعمت تھی یا نہیں تھی؟ اس لیے امام محمدؒ نے فرمایا: ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ جس نے صحابہ کرامؓ کے درمیان مشاجرات کروا دیئے اور اس کی وجہ سے جنگ کے مسائل ہمارے سامنے واضح ہو گئے۔ اِدھر کے بھی مخلص تھے، اُدھر کے بھی مخلص تھے، مگر ان کے درمیان قتال بھی ہو گیا اور اللہ قتال کے باوجود ان کو مومنین فرما رہے ہیں۔ پڑھیے قرآن مجید! اللہ تعالیٰ آگے کیا فرماتے ہیں۔

وَاِنۡ طَآٮِٕفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰٮہُمَا عَلَی الۡاُخۡرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰہِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا بِالۡعَدۡلِ وَ اَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ﴿۹﴾

"اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان کے درمیان صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو تم اس سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف۔ پھر اگر وہ لوٹ آئے پس تم صلح کرا دو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ، اور یوں بھی انصاف ہی کیا کرو کہ بے شک اللہ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں کے ساتھ۔"

فائدہ (۳۱) اگر دو جماعتوں میں جھگڑا ہو جائے تو ان کی صلح کروادو

اب دیکھیں! یہ بات ہو رہی ہے کہ:

وَاِنۡ طَآٮِٕفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا

"اگر مومنین کی دو جماعتیں آپس میں قتال کریں۔"

اگر دو مسلمان جماعتوں میں (دونوں طرف ایمان والے ہیں) باہم نزاع ہو جائے اور جھگڑا ہو جائے۔ کئی دفعہ تو یہ قولی ہوتا ہے کہ دور بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے ہوتے ہیں اور کئی دفعہ یہ فعلی اختلاف بھی ہو سکتا ہے، لڑائی اور قتال تک بھی نوبت پہنچ سکتی ہے۔ تو دونوں صورتوں میں کیا کرنا چاہیے۔

فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا ۚ

"ان کے درمیان صلح کراؤ۔"

ہم دیکھیں! بھئی! ان میں سے ٹھیک کون ہے؟ اور جو ٹھیک ہے ہم اس کا ساتھ دیں اور دوسرے کو منائیں کہ وہ جھگڑے سے باز آ جائے۔

مومنین کی دو عظیم جماعتیں

صحابہ کرام کی دو جماعتوں میں بھی نزاع ہوا اور جنگ ہوئی۔ جنگ صفین میں قتال بھی ہوا تو ان کو اسی آیت کی روشنی میں دیکھیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ کی نظر میں ادھر بھی

ایمان والے تھے اور اُدھر بھی ایمان والے تھے۔ ان کے ایمان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ مومن تھے، وہ مخلص تھے، وہ صحابہ تھے، مگر غلط فہمیوں کی وجہ سے ایسا ہو گیا تھا۔ حدیث پاک میں آتا ہے: نبی ﷺ حضرت حسنؓ کو دیکھا کرتے تھے تو ان کو بوسہ دیتے تھے، ان کو سینے سے لگاتے تھے اور فرماتے تھے:

إِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ، وَ لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. [1]

''میرا یہ بیٹا مومنین کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کا باعث بن جائے گا۔''

تو نبی ﷺ کی زبان سے نکلا ''فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ'' دو عظیم جماعتیں ''مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ'' (مسلمانوں کی) اس کا مطلب یہ کہ وہ ایمان والوں کی جماعتیں تھیں اور اسلام والوں کی جماعتیں تھیں۔ جو نبی ﷺ نے ان کو عظیم جماعتیں کہا۔ یہ تین لفظ کتنے عجیب ہیں!! ''فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ'' اور یہ جماعتیں کون سی تھیں؟ ایک جماعت تھی حضرت علیؓ کی اور ایک جماعت تھی سیّدنا امیر معاویہؓ کی۔ اگرچہ ان کے درمیان جنگ صفین کے اندر قتال تو ہوا، مگر غلط فہمی کی وجہ سے ہوا تھا اور اللہ نے ان دونوں کے ایمان پر مہر لگائی ہوئی تھی۔ اللہ نے ان کے ایمان کو قرآن میں بیان فرما دیا۔ لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بھی حق پر تھے اور وہ بھی حق پر تھے۔ غلط فہمی کی وجہ سے آپس میں قتال ہو گیا تھا، مگر ہم ان کی بھی عظمت کے قائل ہیں اور اُن کی بھی عظمت کے قائل ہیں۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ:

صحابہ باہم جنگ بھی کریں تو وہ سعید ہیں
اِدھر کے بھی شہید ہیں، اُدھر کے بھی شہید ہیں

ہماری نظر میں دونوں جماعتوں والے شہید ہیں؛ کیوں کہ مخلص تھے۔ اللہ نے ان کے ایمان پر مہر لگائی ہوئی تھی، وہ محبوب ﷺ کے صحابہ تھے، وہ کوئی عام لوگ نہیں تھے، اس لیے صحابہ کے بارے میں کوئی زبان نہیں کھول سکتا؛ کیوں کہ: ''اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ'' (سب صحابہ عادل تھے) یہ ہمارا عقیدہ ہے۔

[1] صحیح البخاری، رقم: ۲۷۰۴، باب قول النبی ﷺ للحسن بن علی

ہم ہر صحابی کو حدیث کی روایت کا اہل سمجھتے ہیں اور ان کی ایک شان سمجھتے ہیں اور ان کو اپنا مقتدا سمجھتے ہیں۔

فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ

"اگر ایک ان میں دوسرے پر ظلم کرے تو اس سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے۔"

سرکش کے لیے حکم

اگر دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کروائیں۔ اگر ان میں سے ایک دوسرے پر ظلم کرے تو مظلوم کا ساتھ دیں، اس سے لڑیں جو زیادتی کر رہا ہے، جو اُن میں سے سرکشی کرے، انصاف کی بات کو نہیں مان رہا تو اس سے جنگ کریں۔

اور اگر کوئی جماعت حکمران کے خلاف کھڑی ہو جائے تو سب مل کر اس باغی کے خلاف جنگ کریں۔ اگر بادشاہ ظالم نہیں، احکام کی خلاف ورزی کرنے والا نہیں تو اس کی ذاتی زندگی کو بنیاد بنا کر اس کی نافرمانی اور بغاوت نہ کریں۔ کیوں کہ اطاعت امیر کا حکم ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی غلام کو بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے تو تم اس کی اطاعت کرو۔

حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ

"یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔"

اگر ظالم بات ماننے کی طرف آ جائیں اور لڑائی بند کر دیں، بغاوت چھوڑ دیں تو پھر اب ان کو ایسے نہ ذلیل کرو جیسے کسی مفتوحہ قوم کو ذلیل کرتے ہیں کہ ختم کر کے رکھ دیں گے۔ ان کا مال مالِ غنیمت نہیں ہے اور لڑکیوں کو باندی نہیں بنا سکتے۔ یہ تمہارے بھائی تھے، بغاوت کر بیٹھے ان کو نظر بند کر دو، اسلحہ چھین لو جب تک اصلاح نہیں ہو جاتی۔ اصلاح ہو جائے تو پھر صلح کروا دو۔

فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ۭ

"پھر اگر وہ رجوع کرے تو ان دونوں میں انصاف سے صلح کرا دو۔"

فائدہ (۳۲) صلح کروانے میں انصاف سے کام لینا چاہیے

اور جب لڑائی بند ہو جائے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کروا دیں۔ دو

بھائی ہیں نا! ان کے درمیان محبت کا رشتہ جوڑنا ضروری ہے اور قرآن مجید نے کہا کہ ''وَالصُّلْحُ خَيْرٌ'' (النساء:۱۲۸) (صلح کے اندر خیر ہوتی ہے)۔

تین الفاظ اختلافات کو حل کرتے ہیں

ان آیات میں بیان کیے گئے تین حروف ہر قسم کے اختلافات کو حل کرنے میں مدد دیتے ہیں۔

پہلے ''فَتَبَيَّنُوٓا'' پر عمل کرنا ہے اور دوسرا ''فَاَصْلِحُوْا'' کا لفظ یاد رکھنا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ایک چیز اور بھی ہے ''وَ اَقْسِطُوْا'' (اور تم عدل سے کام لینا)۔

صلح کروانے میں سارا بوجھ ایک طرف نہ ڈال دینا، دوسری طرف کا بھی خیال رکھنا، وہ بھی تمہارے بھائی ہیں۔ انصاف سے کام لینا ہے۔ ایک پارٹی کی جانب اپنا پورا بوجھ نہ ڈال دینا۔ اگر اس کا ساتھ دے رہے ہو تو ان کا بھی کچھ ساتھ دو، وہ بھی تمہارے بھائی ہیں۔ ان کو Ignore (نظر انداز) نہ کرنا۔ شریعت نے کتنا خوبصورت اصول بتا دیا!!

تو تین لفظوں کے یاد کرنے سے صحابہ کے درمیان جو اختلاف رائے تھا، جو مشاجرات تھے اور جو باتیں تھیں وہ ساری صاف ہو جاتی ہیں۔ تو دیکھیے! یہ چار آیات صحابہ کرام کے بارے میں خود ذہن صاف کر کے رکھ دیتی ہیں۔

فائدہ (۳۳) صحابہ کو تاریخ کے آئینے میں نہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں دیکھیں!

آج لوگ ہمارے پاس آجاتے ہیں، کہتے ہیں: صحابہ کرامؓ کو تاریخ کے آئینے میں دیکھو۔ بھئی! تاریخ کی کیا تصدیق ہے؟ تاریخ کوئی Authentic (مصدقہ) چیز تو نہیں ہے، مؤرخین نے جو سنا اس کو لکھ دیا۔ پتہ نہیں ٹھیک سنا، نہیں سنا۔ تو تاریخ کے پیچھے تو کوئی تصدیق ہی نہیں ہے، کوئی ٹھوس بات ہی نہیں ہے۔ ہم تاریخ کے پیچھے کیوں جائیں؟ ہم قرآن وحدیث کے پیچھے جائیں گے کہ جس کے اوپر ہمارا ایمان ہے۔ ہم ان کو جواب یہ دیتے ہیں کہ بھائی تم اپنی تاریخ اپنے پاس رکھو، ہم صحابہ کو تاریخ کے آئینے میں نہیں دیکھتے،

ہم صحابہ کو قرآن وحدیث کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔ ہمیں قرآن کیا کہہ رہا ہے؟ ہمیں حدیث کیا بتارہی ہے؟ ہم صحابہ کو قرآن وحدیث کے آئینے میں دیکھتے ہیں جس کی تصدیق موجود ہے، جس کے سچا ہونے کی دلیل موجود ہے، ہم اس آئینے میں ان کو دیکھیں گے۔ جب قرآن نے کہہ دیا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ معیارِ حق ہیں، اب ہمیں تاریخی واقعات کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے۔

حیرت ہوتی ہے کہ یہ دھوکہ بڑے بڑے علماء کو لگ گیا۔ مولانا مودودی کتنے بڑے عالم تھے! وہ بھی اس دھوکے میں آگئے اور انہوں نے خلافت وملوکیت کتاب میں ایسے واقعات کو لکھا جو مورخین کے تھے۔ حالاں کہ ان کی کوئی تصدیق نہیں تھی اور اس کی وجہ سے صحابہ کے اوپر اعتراض کر دیا۔ اور پھر ساتھ یہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ میں صحابہ کا وکیل نہیں بننا چاہتا، میں تاریخ کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ کیا عقل نے ان کو دھوکہ دیا!! --- سبحان اللہ! --- بھئی! تم وکیل نہیں بننا چاہتے نہ بنو، ہم صحابہؓ کے وکیل بننا چاہتے ہیں، ہم قیامت تک کے لیے صحابہ کے وکیل بن کے دکھائیں گے، جن کی وکالت میرے اللہ نے قرآن میں کی، جن کی وکالت میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کی، ہم ان کے وکیل کیوں نہ بنیں؟ اس لیے ہم صحابہ کرامؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شاگرد ہونے کی وجہ سے معیارِ حق سمجھتے ہیں، ان کے عمل کو سنت سمجھتے ہیں اور ان کی راہ پر چلنا اپنے لیے ہدایت سمجھتے ہیں۔

فائدہ (۳۴) غلطی کی نشاندہی اصلاح کی نیت سے ہونی چاہیے

اتنی بات ذہن میں رکھیے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء محفوظ ہوتے ہیں۔ ہم ایک عام انسان ہیں، ہم سے اگر کوئی غلطی ہو بھی جاتی ہے تو ہمارے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ وہ کوئی نہیں بند کر سکتا۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ. [1]

”گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں۔“

اسی لیے اگر کوئی شرابی ہو، زانی ہو، کبابی ہو، ڈاکو ہو۔ اگر توبہ کر لے تو کوئی بندہ اس کی

[1] سنن ابن ماجہ، رقم: ۴۲۵۰، باب ذکر التوبة

توبہ کے بعد اس کو دوبارہ ان ناموں سے یاد نہیں کر سکتا۔ امام بخاریؒ کے کئی ایسے استاذ تھے کہ کسی وقت میں ڈاکو تھے، پھر توبہ کر لی اور اتنے بڑے محدث بنے کہ امام بخاریؒ کے استاذ بنے۔ آج ان کا نام امام بخاری کے اساتذہ میں آتا ہے۔ تو توبہ کا دروازہ تو زندگی میں ہر بندے کے لیے کھلا ہوا ہے۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ جیسے نبی ﷺ نے عائشہ صدیقہؓ کو فرمایا کہ عائشہ! اگر تم سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو تم توبہ استغفار کرو، اللہ گناہوں کو معاف کرنے والے ہیں۔

تو پہلی ۵ر آیات تھیں نبی ﷺ کے آداب کے بارے میں، پھر اگلی ۴ر آیات عظمتِ صحابہؓ کے بارے میں تھیں۔ اب آپ بتائیے کہ یہ ۴ر آیات جن کا آج ہم نے ترجمہ پڑھا، اس سے صحابہ کے بارے میں طبیعت صاف ہوئی کہ نہیں ہوئی ---؟

جنگِ جمل کے حالات وواقعات

جنگِ جمل جو پیش آئی تو اس میں ایک طرف سیدنا علیؓ تھے جو اس وقت کے خلیفہ تھے، لیکن جو مخالفین تھے وہ بھی صحابہؓ تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ خلیفہ تو بن گئے ہیں، اب ان کو چاہیے کہ قاتلینِ عثمان کو سزا دیں۔ وہ چوں کہ مقتول کے وارث تھے، لہٰذا ان کا شرعی حق بنتا تھا کہ وہ قاتلین کی سزا کا مطالبہ کریں۔

بھئی! دیکھو! ہر بندے کی نظر میں اپنے حساب سے کسی چیز کی اہمیت ہوتی ہے۔ جن کا بندہ فوت ہوگیا وہ تو کہیں گے کہ ہمارے اس مقتول کے قاتل کو سزا دو۔ ہمارے نزدیک تو سب سے اہم کام یہ ہے۔ سیدنا علیؓ کے نزدیک خلافت کو مضبوط کرنا زیادہ اہم تھا۔ ان کا موقف زیادہ صحیح تھا، مگر جو دوسرے صحابہ تھے وہ بھی صحیح تھے۔ حضرت زبیرؓ حضرت طلحہ یہ صحابی تھے اور عشرۂ مبشرہ میں سے تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ جی! ٹھیک ہے، ہم آپ کی بیعت کرنے کے لیے تیار ہیں، مگر پہلے آپ قاتلینِ عثمان کو سزا دیں، اگر نہیں دے سکتے تو ہمارے حوالے کریں، ہم ان سے خود نمٹ لیتے ہیں، اب یہ آپس میں اختلاف تھا اور شرعی اختلاف تھا، کوئی اس میں بری بات نہیں۔ اِن کا موقف یہ اور اُن کا موقف وہ تھا۔

اب اس پر یہ جو حضرات سیدنا علیؓ کے مخالف تھے، انہوں نے پھر سوچا کہ ہم مدینہ

کے اندر رہ کر یہ بات نہیں کرتے، شہرت بڑھتی ہے، باتیں بنتی ہیں اور یہ امن کی جگہ ہے، عبادت کی جگہ ہے، ہم ذرا مدینہ سے باہر نکل کر آپس میں مشورہ کرتے ہیں اور پھر ہم اجتماعی موقف بنائیں گے کہ ہم نے کرنا کیا ہے؟ چناں چہ یہ مدینہ سے نکل کر دوسری طرف کو چلے گئے۔ اب جو حضرت علیؓ کے ساتھ تھے انہوں نے ان کو کہا کہ جی دیکھو! مخالفین باہر چلے گئے ہیں، یہ وہاں جا کر جنگ کی تیاری کریں گے اور زور پکڑ جائیں گے۔ پھر آپ کے لیے ان سے لڑنا مشکل ہوگا۔ آپ بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر ان کے ساتھ جائیں اور بات چیت پہلے طے کرلیں۔ چناں چہ حضرت علیؓ بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر آ گئے کہ ٹھیک ہے! ہم ان سے گفت وشنید سے بات طے کر لیتے ہیں۔ اب اس طرح یہ دو عظیم جماعتیں جو ایمان والوں کی تھیں وہ ایک میدان میں آمنے سامنے آ گئیں، لیکن آمنے سامنے آنے میں مقصد ان کا لڑنا نہیں تھا، بلکہ ایک دوسرے کو اپنے موقف کے اوپر قائل کرنا تھا۔ حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ میں ان کو باتوں سے قائل کروں گا کہ میرا موقف صحیح ہے، مجھے کچھ وقت دیا جائے، پھر بعد میں قاتلینِ عثمان کو میں سزا دوں گا۔ دوسرے کہتے تھے کہ نہیں! ہم حضرت علیؓ کو اس بات پر آمادہ کریں گے کہ پہلے قاتلین عثمان کو سزا دیں، اس کے بعد کوئی کام کریں۔

اب جب یہ دو گروہ آپس میں آمنے سامنے ہوئے تو درمیان میں کچھ لوگ ہوتے ہیں جو صلح پسند ہوتے ہیں، ہمیشہ ملک میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو صلح پسند ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں: بھئی! صحیح طریقے سے حکومت ہونی چاہیے، انتظام ہونا چاہیے، ہمیں تو امن چاہیے، ہمیں تو اپنا کام کرنا چاہیے، چناں چہ ان میں سے کچھ لوگ سیّدہ عائشہ صدیقہ کے پاس گئے۔ امّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ اس وقت عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ میں تھیں۔ انہوں نے امّ المومنین کو جا کر کہا کہ حضرت علیؓ بھی آپ کے بیٹے ہیں اور امیر معاویہؓ بھی آپ کے بیٹے ہیں، آپ کی حیثیت ماں کی سی ہے، آپ دونوں کے لیے ایک معزز شخصیت ہیں۔ اب ان کے درمیان صلح تو کوئی بڑا ہی کروا سکتا ہے۔ لہٰذا آپ مدینہ جانے کے بجائے ہمارے ساتھ وہاں چلیں جہاں دونوں جماعتیں موجود ہیں اور آپ اپنے دونوں بیٹوں کے

درمیان صلح کروادیں، چناں چہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے اس بات کو پسند کیا کہ میرے بیٹوں کے درمیان اختلاف نہ ہو اور مسلمانوں کے درمیان خوں ریزی نہ ہو، وہ اس قافلے کے ساتھ چل کر اس میدان میں پہنچ گئیں۔

اب صورتِ حال کچھ یوں بنی کہ اماں عائشہؓ حضرت امیر معاویہؓ کے لشکر میں آئیں تھیں۔ حضرت علیؓ نے جب یہ دیکھا کہ امّ المومنین عائشہ صدیقہ آگئی ہیں تو وہ بھی ان کے رتبے اور عظمت کو سمجھتے تھے، چناں چہ اپنی ماں کی تسلی کروانے کے لیے حضرت علیؓ خود چل کر آئے اور انہوں نے آ کر امّ المومنینؓ سے بات کی۔ امّ المومنین نے انہیں تسلی دی اور فرمایا کہ دیکھو! یہ جتنے لوگ میرے ساتھ ہیں یہ سارے آپ کی بیعت کرنے کے لیے تیار ہیں، مگر یہ چاہتے ہیں کہ آپ حضرت عثمان غنیؓ کو جنہوں نے شہید کیا ہے ان کو سزا پہلے دیں۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ مجھے تھوڑا ٹائم تو دیا جائے، ابھی تو یہ تازہ تازہ مسئلہ ہے اور ابھی تو میں پاؤں بھی نہیں جما سکا۔ مجھے تھوڑا ٹائم مل جائے، میں مضبوط ہو جاؤں، پھر انہیں بدلہ دے کر دکھاؤں گا۔ چناں چہ رات میں امّ المومنین اور حضرت علیؓ کے درمیان فیصلہ ہو گیا کہ ہم کل صبح صبح آپس میں صلح کا اعلان کر دیں گے۔

اب جب صلح کے اعلان کا فیصلہ ہو گیا تو درمیان میں جو بلوائی تھے، جو سبائی تھے اور جو یہودیوں کے ایجنٹ تھے، وہ پریشان ہو گئے کہ آپس میں صلح ہو گئی تو ہمارا تو مسئلہ گول ہو جائے گا۔ اب انہوں نے کیا کیا کہ انہوں نے رات کے اندھیرے میں اپنے دو حصے کیے: ایک حصے نے حضرت علیؓ کے لشکر پر حملہ کر دیا اور دوسرے نے حضرت عائشہؓ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ اِدھر والوں نے اُن کے نعرے لگائے، اُدھر والوں نے اِن کے نعرے لگائے۔ یہ سمجھے کہ انہوں نے ہم سے بدعہدی کی ہے اور انہوں نے سمجھا کہ ہم سے بدعہدی ہوئی ہے اور آپس میں لڑائی شروع ہو گئی۔ یہ لڑائی غلط فہمی کی وجہ سے ہو گئی، حتیٰ کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ جس اونٹ کے اوپر سوار تھیں اس اونٹ کی ٹانگ کے اوپر کسی نے وار کیا اور امّ المومنین اونٹ سے نیچے آگریں۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ امّ المومنین جب نیچے گریں تو ان کے اوپر چادر ڈال کر ان کو ڈھانپنے والے حضرت علیؓ تھے۔ حضرت علیؓ جانتے تھے کہ امّ

المومنین عائشہ صدیقہ کا کیا درجہ ہے؟ وہ محبوبہ محبوب خدا ہیں۔ انہوں نے ان کے اوپر چادر ڈالی۔ وہ بھی رو رہے تھے اور ادھر والے بھی رو رہے تھے کہ ہم تو یہ نہیں چاہتے تھے، ہم تو یہ نہیں چاہتے۔ مگر وہ ہو گیا جو اللہ چاہتے تھے۔ اللہ نے مسلمانوں کے اندر جنگ کے حالات کو کھولنا تھا، تو غلط فہمی میں اللہ نے یہ جنگ کروا کر دکھا دی۔ اب یہ جنگ صحابہ نے خود نہیں کی، اللہ نے چاہا تو جنگ ہو گئی، ہوتا وہ ہے جو اللہ چاہتے ہیں۔

لفظِ مشاجرات کا مفہوم

تو وہ لڑائی آپس میں لڑے نہیں، اسی لیے اس کا نام ہے "مشاجرات"۔ کتب میں "لڑائیوں" کا لفظ نہیں لکھا۔ "مشاجرات" کا لفظ شجر سے ہے۔ جیسے ایک شجر ہوتا ہے نا! اس کی کئی ٹہنیاں نکل آتی ہیں، مگر بنیاد سب کی ایک ہوتی ہے۔ تو صحابۂ کرام میں بھی اختلاف رائے ہوتا رہا، مگر بنیاد سب کی اخلاص تھا، دین و ایمان تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے اوپر سب جمع رہے، اسلام کے اوپر سب قائم رہے۔ لہٰذا یہ ایک ہی درخت کی ٹہنیاں تھیں، آپس میں ٹوٹ گئیں، زیادہ ٹہنیوں پر اللہ نے زیادہ پھل عطا فرما دیے اور اللہ نے اسلام کو کامل کر کے دکھا دیا۔

خلاصۂ آیات

یہ جو صحابہ کرام کے بارے میں آیات تھیں، اس میں تین لفظ ہیں جو اہم ہیں:

۱۔ "فَتَبَيَّنُوٓا" جب کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لو۔

۲۔ "فَأَصْلِحُوا" دو بھائیوں کے درمیان، دو گروہوں کے درمیان تم آپس میں صلح کرواؤ۔

۳۔ "وَأَقْسِطُوٓا" اور صلح عدل کے ساتھ کرو، یہ نہ ہو کہ تم کسی ایک کی طرف داری کرو، دونوں کا خیال رکھو، تاکہ مساوات قائم رہے۔

صحابۂ کرام کی لڑائیوں کا نام سن کر کئی انگریزی خواں فوراً بھڑک اٹھتے ہیں اور کہتے ہیں: جی دیکھو! آپس میں لڑ پڑے۔ بھئی! لڑ پڑنا انسانوں کے اندر ہو جاتا ہے، مگر اس کی بنیاد دیکھو کہ بنیاد کیا ہے؟ بنیاد دونوں کی اخلاص پر مبنی تھی۔ اللہ کی مشیت تھی کہ دونوں میں

نزاع اور جنگ ہوگئی۔

آپ مجھے ایک بات کا جواب دیں! کیا دو ماہر ڈرائیوروں کے درمیان ایکسیڈنٹ نہیں ہوجاتا؟ ہوجاتا ہے نا!! ادھر کا ڈرائیور بھی پچیس سال سے ڈرائیونگ کررہا ہے، ادھر کا ڈرائیور بھی تیس سال سے ڈرائیونگ کررہا ہے، پھر ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے۔ اگر دو ماہر ڈرائیوروں کے درمیان ایکسیڈنٹ ممکن ہوسکتا ہے تو دو نیک بندوں کے درمیان بھی اختلافِ رائے ممکن ہوسکتا ہے، مگر اس اختلافِ رائے کو شریعت کی روشنی میں اگر سمیٹیں گے تو سارا کام صاف ہوجائے گا اور اگر اپنی مرضی کو درمیان میں لے آئیں گے تو بات کا بتنگڑ بنا جائے گا اور بات فتنے تک جا کر پہنچے گی۔ اس لیے شریعت نے اصول بتادیا:

إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا (الحجرات:۶)

اللہ آپ حضرات کو خوش رکھے اور ہمیں قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

❁❁❁

مقامِ اخوت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۰﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَ مَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾ (الحجرات:۱۰تا۱۲)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۲﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ

۞ --- سورۃ الحجرات کی پہلی پانچ آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب بیان کیے گئے، تاکہ مقامِ نبوت کا پتہ چل جائے اور حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب اور محبت دلوں میں راسخ ہوجائے۔

--- پھر اس کے بعد چار آیات صحابہ کرامؓ کے بارے میں ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ نے مقامِ صحابہ کو کھولا ہے۔

--- اب ایک تیسرا باب شروع ہو رہا ہے۔ اس میں تین آیات ہیں جو مسلمانوں کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم کرتی ہیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ
''بے شک ایمان والے سب بھائی بھائی ہیں، ان کے درمیان صلح کرواؤ۔''

فائدہ (۳۵) سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں

فرمایا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ

''سب ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

اسلام نے اُخوت کا ایسا رشتہ بنا دیا کہ جس نے سب مسلمانوں کو یک جان کر دیا۔ گھروں میں یہ معاملات پیش آتے رہتے ہیں۔ بھائی بھائی کی لڑائی، بہن بھائی کی لڑائی، ساس بہو کی لڑائی اور نند بھابھی کی لڑائی، یہ روز مرہ کی چیزیں ہیں۔ کوئی گھر اس سے خالی نہیں ہے۔ جس جگہ انسان بستے ہیں وہاں یہ چھوٹے موٹے جھگڑے ہوتے ہی ہیں۔ مگر جو گھر کے بڑے ہوں ان کو چاہیے کہ معاملے کو دیکھیں کہ کیا ہے؟ پھر اِس کو بھی سمجھائیں اور اُس کو بھی سمجھائیں اور آپس میں صلح صفائی کروا دیا کریں۔ اگر بچوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں گے تو یہ جھگڑے بڑھ جائیں گے، دشمنیاں بڑھ جائیں گی اور دلوں میں فرق آجائے گا اور ایک دوسرے سے دل میں دشمنی آجائے گی۔ شریعت اس چیز کو پسند نہیں کرتی کہ ایک جگہ پر رہیں اور دل ایک دوسرے سے متنفر ہوں۔ دور رہیں مگر دلوں میں محبتیں ہوں یہ بہتر ہے اس سے کہ قریب رہیں اور دلوں میں نفرتیں ہوں۔ یہ منافقت کی زندگی اللہ کو پسند نہیں ہے۔ اس لیے فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ

کلمہ پڑھنے کی وجہ سے بھی ہمارا آپس میں ایک ایمان کا رشتہ بنتا ہے۔ ایک خونی

رشتہ ہوتا ہے جو اقارب کا ہوتا ہے۔ ان کے درمیان صلہ رحمی کرنا اللہ کو بہت پسند ہے۔ اور اس سے اور بڑا رشتہ ایمان کا رشتہ ہے کہ جو بھی مسلمان ہے وہ تمہارا بھائی ہے، لہٰذا تم آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ پھر اس سے اوپر ایک اور بھی رشتہ بنتا ہے۔ وہ ہے انسانیت کا رشتہ کہ بھلے کافر ہو یا مسلمان ہو، مگر ہے تو انسان۔ تو انسان ہونے کی وجہ سے وہ اللہ کی مخلوق ہے، ان کا آپس میں ایک رشتہ ہوا۔ وہ بھی ایک دوسرے کا اکرام کریں۔ دین اسلام کتنا خوب صورت دین ہے۔ تو پھر مسلمان ہونے کا رشتہ تو اور بھی زیادہ گہرا رشتہ ہے۔

مومن کی حرمت کعبہ سے بھی زیادہ

ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ نبی ﷺ طواف فرما رہے تھے تو بیت اللہ کی طرف دیکھ کر فرمایا: بیت اللہ! اللہ کے ہاں تیری عظمت بہت زیادہ ہے، لیکن سچ بات بتاؤں:

لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ حُرْمَةً مِنْكِ. [1]

"مومن کا احترام اللہ کے نزدیک (اے بیت اللہ!) تیرے احترام سے بھی زیادہ ہے۔"

اب آپ بتائیں ہم بیت اللہ کا کتنا احترام کرتے ہیں؟ اس کے قریب جاتے ہیں تو غلاف کو پکڑ کر چومتے ہیں اور اپنا سینہ دیوار کے ساتھ لگاتے ہیں اور اس کی طرف عزت احترام سے سجدہ کرتے ہیں، لیکن ہم مسلمان بھائی کا گریبان پکڑ رہے ہوتے ہیں اور منہ سے گالیاں نکال رہے ہوتے ہیں تو ہم نے تو پھر مومن بھائی کی عزت نہ کی۔

دل میں کینہ رکھنے کا وبال

یہ گھروں کے اندر جو لڑائیاں ہیں، کینہ ہے، نفرتیں ہیں یہ چیز اللہ کو بہت ناپسند ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ لیلۃ القدر میں سب گناہوں کو معاف فرماتے ہیں، چند گناہوں کو معاف نہیں فرماتے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جس کے دل میں دوسرے مسلمان کے بارے میں کینہ ہوگا، اللہ اس بندے کو لیلۃ القدر میں بھی معاف نہیں فرماتے۔ اب آپ بتایئے کہ اگر لیلۃ القدر جیسی رات میں بھی بخشش نہیں ہوگی تو پھر بخشش کہاں ہوگی؟ اس کا مطلب یہ کہ ہمیں سینے میں سے کینے کو ختم کرنا ہوگا۔

---

[1] سنن ابن ماجہ: ۳۹۳۲

اور کینہ کیا ہوتا ہے؟ کسی کے بارے میں میٹھا میٹھا غصہ۔ یہ جو دل میں کسی کے بارے میں غصہ ہوتا ہے، اس کو کینہ کہتے ہیں۔ اس کو نکالنا چاہیے، اور اللہ سے دعائیں مانگنی چاہئیں: اللہ ہمیں سینہ بے کینہ عطا فرما۔

آئینِ ما سینہ چوں آئینہ داشتن
کفر است در طریقتِ ما کینہ داشتن

''میرا آئین یہ ہے کہ انسان کا سینہ آئینے کی طرح صاف ہونا چاہیے، ہماری طریقت میں کینہ دل میں رکھنا کفر کی مانند ہوتا ہے۔''

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

''اور اللہ سے ڈرو، تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

بھائیوں کے درمیان معاملہ طے کرانے میں اللہ سے ڈرنا چاہیے، شرعی حدود کا خیال رکھنا چاہیے، ایسا کریں گے تو اللہ کی رحمتیں ہوں گی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝
''اے ایمان والو! ایک قوم دوسری قوم سے مذاق نہ کرے، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے مذاق کریں، کچھ بعید نہیں کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور ایک دوسرے کو طعنے نہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے نام دو۔ فسق کے نام لینے ایمان لانے کے بعد بہت برے ہیں اور جو باز نہ آئیں، وہی ظالم ہیں۔''

کینہ پیدا ہونے کی دو بنیادی وجوہات

پچھلی آیت میں فرمایا کہ مومن آپس میں بھائی بھائی بن کر رہیں۔ اب ہم بھائی بھائی بن کر کیسے رہ سکتے ہیں؟ جب دلوں سے نفرتیں ختم ہو جائیں، کینہ ختم ہو جائے، دشمنیاں ختم ہو جائیں۔ یہ دشمنیاں کیوں آتی ہیں؟ اس کی دو بنیادی وجوہات ہیں۔ یہ اللہ کے کلام کا اعجاز

ہے کہ اللہ نے ساری روحانی بیماریوں کو دو بیماریوں میں سمیٹ کر دکھا دیا:

۱- تمسخر کرنا یا مذاق اڑانا

۲- بدگمانی یا بدظنی کرنا

اب اس آیت میں ان تمسخر کی برائی اور اس کے متعلقات سے منع فرمایا گیا ہے۔

تمسخر کی ممانعت

فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ

''اے ایمان والو! ایک قوم دوسری قوم سے مذاق نہ کرے۔''

''لَا يَسْخَرْ'' کا لفظ یاد رکھیں۔ تمسخر کا مطلب ہے دوسروں کا تحقیر کے ساتھ مذاق اڑانا۔ کسی کا کوئی عیب نکال کر اس پر ہنسنا، فقرے کسنا۔ اگر ہم ہنسی مذاق کریں تو ایسا نہ ہو جس سے کسی ذات کو تکلیف ہو، دل آزاری ہو۔ ہر بندے کی ایک عزت ہے، ایک احترام ہے۔ اس کو Self Respect کہتے ہیں۔ تو ہنسی مذاق میں کسی کی عزتِ نفس کو مجروح نہ کریں۔ جب بھی عزتِ نفس کو مجروح کیا جائے گا کینہ ہوگا، دشمنیاں ہوں گی، حسد ہوگا، جھگڑے ہوں گے۔ ہم دوسرے کو کیوں اتنا Humiliate (ذلیل) کرتے ہیں؟ کسی کی عزتِ نفس کو کیوں اتنا توڑتے ہیں؟ جب اللہ نے اس کو عزت دی ہے تو ہم کون ہیں اس کی عزتِ نفس کو پامال کرنے والے۔ ہنسی مذاق میں کسی کی عزتِ نفس کو نہیں چھیڑنا چاہیے۔

آج تو علم کا دور ہے۔ چھوٹے بچے بھی سمجھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ہو کیا رہا ہے۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ میرا چھوٹا بچہ تھا۔ اس نے گھر میں کوئی گڑبڑ کی۔ مجھے بیوی نے بتایا تو میں نے اسے ذرا سختی سے کہا کہ آپ نے یہ بھی کیا، یہ بھی کیا، کیوں کیا؟ وہ بالکل خاموشی سے چلا گیا۔ جب دوپہر کھانے کا وقت آیا تو سب دسترخوان پر موجود ہیں، چھوٹا بیٹا موجود نہیں۔ کہنے لگے کہ میں نے گھر کی عورتوں سے پوچھا کہ بچہ کہاں ہے؟ وہ اِدھر اُدھر کمروں میں ڈھونڈ رہی ہیں، بچہ نظر نہیں آتا، پورے گھر میں ڈھونڈا، بچہ کہیں نظر نہیں آیا۔ میں باپ تھا، مجھے پریشانی ہوئی کہ کھانے کا وقت ہے، بیٹا کہاں غائب ہو گیا؟ کہتا ہے کہ میں اٹھا کہ باہر نکل کر کسی سے پوچھوں۔ جب باہر نکلنے لگا تو وہ دروازے پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے پیار

سے کہا کہ بیٹا کھانے کا وقت ہے، سب انتظار کر رہے ہیں اور تم کھانا کھانے کے لیے گھر میں نہیں آئے؟ تو بچہ کہنے لگا: ابو! جس گھر میں بندے کی عزت نہ ہو وہاں کھانا کھانے کا کیا فائدہ؟ میں نے اس کی اصلاح کے لیے بچے کو ڈانٹا تھا، بچے نے میری اصلاح کر دی کہ میری بھی ایک عزت نفس ہے، آپ نے سمجھانا تھا تو مجھے الگ سمجھانا تھا، سب بہن بھائیوں کے سامنے مجھے کیوں ذلیل کیا گیا؟ تو ہر بندے کی ایک Self Respect ہوتی ہے۔ اس کو کبھی بھی Hurt نہیں کرنا چاہیے۔ اگر ہم اس اصول کو یاد رکھیں گے تو ہمارے گھروں میں محبت ہوگی، پیار ہوگا، بھائی چارہ ہوگا اور نفرتوں وغیرہ کی بنیاد ہی ختم ہو جائے گی۔

شریعت میں مزاح منع نہیں

اکثر لوگوں کی مذاق کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ انسان کبھی کسی موڈ میں ہوتا ہے، کبھی کسی موڈ میں تو کبھی ہنسی مذاق بھی کر لیتا ہے۔ شریعت نے اس کو منع نہیں کیا، مگر ایسا مذاق نہ ہو کہ جس سے دوسرے کی حقارت دل میں آئے۔ دوسرے کو چھوٹا سمجھ کر اس کا مذاق اڑانا یہ منع ہے۔ ویسے تو اللہ کے حبیب ﷺ بھی کبھی کبھی ایسی بات کر دیا کرتے تھے کہ جس سے صحابہ مسکراتے تھے یا ہنس پڑتے تھے۔ یہ سنت ہے۔ اور واقعی! بندہ ایک جیسا ہی ڈپریشن والا موڈ رکھے تو پھر ایسے لگتا ہے جیسے یہ زندوں کا گھر ہی نہیں، شاید کوئی مردوں کا گھر ہے۔ چناں چہ اللہ کے حبیب ﷺ کبھی کبھی مزاح فرمایا کرتے تھے۔ اس پر محدثین نے مستقل باب لکھے ہیں۔

نبی ﷺ کی ظرافت کی بعض مثالیں

۱- حضرت انس نبی ﷺ کے خادم تھے۔ وہ بچے تھے تو نبی ﷺ کبھی کبھی انہیں پکارتے تھے: او دو کانوں والے! اب بتایئے کون بندہ دو کانوں والا نہیں ہے؟ لیکن دو کانوں والے کہنے سے ایک مزاح کی کیفیت ہو جاتی تھی کہ اس میں سچ بھی تھا اور مزاح بھی تھا، ظرافت بھی تھی۔ [1]

۲- ایک صحابیؓ نے نبی ﷺ سے اونٹ مانگا۔ ان کو اونٹ کی ضرورت تھی۔ نبی

---

[1] سنن ابی داؤد، رقم: ۵۰۰۲، باب ما جاء فی المزاح

ﷺ نے فرمایا: نہیں میں تو تمہیں اونٹ کا بچہ دوں گا۔ اب وہ بڑے پریشان کہ اے اللہ کے حبیب! مجھے تو اونٹ چاہیے۔ نبی ﷺ فرمانے لگے: نہیں میں تمہیں اونٹ کا بچہ دوں گا۔ کافی دیر پریشانی کے بعد جب وہ کہنے لگے: اے اللہ کے نبی! مجھے اونٹ کی ضرورت ہے، آپ اونٹ کا بچہ کیوں دیں گے؟ تو فرمایا: جب میں تمہیں اونٹ دوں گا تو وہ بھی تو اونٹ کا بچہ ہی ہوگا۔ کیا خوب صورتی تھی اس مزاح میں کہ حقیقت بھی تھی اور مزاح بھی تھا۔ [۱]

۳۔ ایک بوڑھی عورت آئی، کہنے لگی: اے اللہ کے حبیب! میں جنت میں کیسے جاؤں گی؟ نبی ﷺ نے فرمایا: کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی۔ اب وہ بوڑھی تو رونے دھونے لگ گئی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ہاں بالکل! کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی۔ جب اچھی طرح اس نے آنسو بہا لیے، رو دھو لیا تو ام المومنین رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! ایسی بھی کون سی بات ہے کہ کوئی بھی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی، آپ شفاعت کریں گے تو جا سکتی ہے۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: عائشہ! اصل بات یہ ہے کہ جو عورت بھی جنت میں جائے گی، اللہ اس کی عمر اٹھارہ سال کر دیں گے، تو وہ جوان عورت بن کر جنت میں جائے گی، بوڑھی ہو کر نہیں جائے گی۔ تو اس بات میں ظرافت بھی تھی اور سچ بھی تھا۔ [۲]

۴۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک ایسے صحابی تھے جو بہت مزاحیہ موڈ کے تھے اور باقی صحابہ ان سے بہت ڈرتے تھے۔ حتیٰ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ بھی ان سے گھبراتے تھے کہ یہ بندہ اس قسم کا ہے کہ کہیں اگر موڈ میں آ گیا تو ہمارا تماشہ بنا دے گا۔ ان کا مزاح کیسا تھا؟ ایک دفعہ ایک صاحب ملنے کے لیے آئے، انہوں نے اپنا اونٹ باہر درخت کے ساتھ باندھا اور نبی ﷺ کی مجلس میں آ کر بیٹھ گئے۔ نبی ﷺ کی باتیں سننے لگے۔ اب یہ صحابی گئے اور ان کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے۔ السلام علیکم۔ وعلیکم السلام۔ ان سے حال احوال پوچھا۔ آپس میں جیسے تعارف ہوتا ہے، اب یہ بھی وعظ سنتے رہے، وہ بھی سنتے رہے، وعظ سننے کے بعد یہ

---

[۱] سنن ابی داؤد، رقم: ۴۹۹۸، باب ماجاء فی المزاح

[۲] البعث والنشور، رقم: ۳۴۳، باب جاء فی صفۃ حور.....

اس آنے والے مہمان سے پوچھتے ہیں: سناؤ بھئی! کیا آج اونٹ کا گوشت کھانے کو دل چاہتا ہے؟ اگر مہمان سے پوچھیں وہ تو کہتا ہے کہ ہاں میرا جی چاہتا ہے۔ انہوں نے بھی کہہ دیا کہ ہاں۔ یہ اٹھے اور آ کر اسی کے اونٹ کو باہر ذبح کروا دیا اور پکوا دیا۔ اب سب صحابہؓ نے خوب دعوت کھائی اور مزے کا وقت گزارا۔

شام کو جب وہ صحابی جانے کے لیے واپس ہوئے تو انہوں نے اپنا اونٹ دیکھا تو اونٹ موجود نہیں۔ پوچھا: میرا اونٹ کہاں ہے؟ ان صحابی نے جواب دیا کہ اونٹ تو وہی تھا جس کو ذبح کر کے کھلا دیا گیا۔ اب اس صحابی نے رونا دھونا شروع کر دیا کہ میرا اونٹ ذبح کروا کر کھلا دیا اور میرے اور اونٹ بھی نہیں، میں پیدل تو جا نہیں سکتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں تشریف لے آئے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں تشریف لے آئے تو وہ صحابی وہاں سے کھسک گئے، غائب ہو گئے۔ قریب کے کسی گھر میں داخل ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: بھئی! یہ اونٹ کس نے ذبح کروایا تھا؟ جی! فلاں نے ذبح کروایا تھا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ اب صحابہ بتاتے ہوئے گھبرائیں کہ اس کو پتہ چل گیا کہ ہم نے بتایا ہے تو ہماری باری آ جائے گی۔ اب گھبرا بھی رہے ہیں اور بتانا بھی ہے تو بہرحال! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کس گھر کے اندر داخل ہوئے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس گھر میں تشریف لائے، اس گھر میں لکڑیاں پڑی ہوئی تھی، وہ صحابی ان لکڑیوں کے پیچھے چھپ گئے۔ اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس گھر کے صحن میں تشریف لائے اور گھر والوں سے پوچھا کہ بھئی! وہ صحابی یہاں آئے ہیں؟ اب وہ بھی گھبرائیں کہ بتائیں تو کیسے بتائیں اور نہ بتائیں تو کیسے نہ بتائیں!! جب کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پوچھ رہے ہیں۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: بھئی! وہ صحابی ادھر آئے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! آئے تو تھے۔ زبان سے اتنا کہا اور ہاتھ سے لکڑیوں کے پیچھے اشارہ کر دیا۔ اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب لکڑیوں کے پیچھے گئے تو وہ کھڑے ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بھئی! آپ نے کیا حرکت کی؟ اے اللہ کے حبیب! گوشت کھانے کو دل چاہ رہا تھا تو اس لیے میں نے اونٹ ذبح کروا دیا۔ فرمایا کہ مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کروانا تو حرام

ہے۔اے اللہ کے حبیب! میں نے مالک سے اجازت لی تھی۔ میں نے پہلے پوچھا کہ آپ کا گوشت کھانے کو دل چاہتا ہے؟ اس نے کہا تھا ہاں! کھانا ہے۔تو میں نے ذبح کروا کر کھلا دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب اگر اس نے واپس جانا ہے تو سواری کے اونٹ کا کیا بنے گا؟ اے اللہ کے نبی! مجھے پتہ تھا کہ آپ موجود ہیں، آپ اسے اپنی طرف سے اونٹ دے دیں گے، مسئلہ حل ہو جائے گا۔

توصحابہ کرامؓ میں بھی ایسے حضرات موجود تھے جن کو اللہ نے یہ ظرافت کی حس خاص طور پر دی ہوئی تھی۔ یہ انسان ہیں، مختلف مزاج ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایسے بھی انسان بنائے ہوئے ہیں تو اگر اس قسم کی ظرافت ہو جس میں دوسرے کی دل آزاری نہ ہو تو یہ جائز ہے۔

فائدہ (۳۶) کسی کی تحقیر جائز نہیں

شریعت میں مزاح تو جائز ہے، لیکن کسی کا مذاق بنانا، ایسے کہ جیسے وہ حقیر ہے، اس میں عیب ہے، یہ ناجائز ہے، اس سے جس کا تمسخر اڑایا جاتا ہے اس کی دل آزاری ہوتی ہے۔شریعت نے اس کو منع کر دیا کہ ایسے نہ کریں۔تو فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ

"اے ایمان والو! تم میں سے کوئی ایک قوم دوسری کا مذاق نہ اڑائے۔"

ایک گروپ دوسرے گروپ کا مذاق نہ اڑائے۔ دو تین مل جاتے ہیں نا! بیٹھ کر باقیوں کا مذاق اڑا رہے ہوتے ہیں۔ یہ اچھی بات نہیں۔تم میں سے ایک گروہ دوسرے کا مذاق نہ اڑائے۔

فائدہ (۳۷) کون کس حال میں ہے، اللہ جانتا ہے

مذاق کیوں اڑائیں؟ دوسرے کے حال کو تو ہم نہیں جانتے۔"عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ" (ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں) ہمیں کیا پتہ کون کیا ہے؟ ہم نہیں جانتے۔ ہو سکتا ہے جس کا مذاق اڑا رہے ہیں وہ اللہ کے نزدیک ہم سے بہتر ہو۔ ہمیں معاملے کو اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔ہم خدا نہیں ہیں کہ ہم کسی کے اوپر مسلط ہو جائیں کہ بھئی تو کون ہے اور اس حال میں کیوں ہے؟ اللہ کے بندے ہیں! اللہ نے کس کو کس حال میں رکھا ہوا ہے یہ

اللہ بہتر جانتا ہے۔ اللہ کو اپنا ملک چلانے دیں، اس میں Interfere (دخل اندازی) مت کریں۔

مولانا مکی حجازی صاحب مدظلہ کا واقعہ

ایک دفعہ حضرت مولانا مکی حجازی دامت برکاتہم نے واقعہ سنایا کہ حرم میں باب عمرہ کے باہر ایک آدمی بیٹھا رہتا تھا۔ میلے کچیلے کپڑے ہوتے تھے اور عجیب اس کا حال تھا، سمجھ میں نہیں آتا تھا، مگر ہر وقت قرآن پڑھتا رہتا تھا اور کوئی جماعت کا اتنا پابند بھی نہیں تھا۔ کبھی مسجد میں نماز میں نظر آتا تھا اور کبھی حرم میں نماز ہو رہی ہوتی اور وہ اپنے حال میں بیٹھا ہوتا۔ فرماتے تھے کہ میں حیران ہوتا تھا اور اس کو دیکھ کر یہ محسوس کرتا تھا کہ بندہ تو یہ کوئی خاص ہے، لیکن کس حال میں ہے ہمیں نہیں پتہ، اللہ جانتا ہے۔ اگر کوئی اس کو پیسے دیتا تھا پانچ ریال، دس ریال تو وہ بالکل نہیں لیتا تھا۔ تو حضرت فرماتے ہیں: ایک مرتبہ کوئی مولوی صاحب حج کے لیے آئے تو گزرتے ہوئے میں نے انہیں بتایا کہ یہ کوئی بندہ ہے، مگر ہے کسی خاص حال میں۔ یہ ہر وقت قرآن پڑھتا رہتا ہے، مگر سگریٹ بھی خوب پیتا ہے، ایک سگریٹ کے اوپر دوسری، اس کے بعد تیسری سگریٹ پیتا ہے اور قرآن بھی پڑھتا رہتا ہے۔ نہیں پتہ کہ کس حال میں ہے؟ اللہ جانے۔ وہ مولوی صاحب کہنے لگے: مولانا! یہ سارے فقیر ایک جیسے ہوتے ہیں اور ان کے مانگنے کے طریقے ہوتے ہیں۔ یہ پانچ ریال، دس ریال اگر لے لیں تو ان کو زیادہ کون دے؟ تو یہ زیادہ لینے کا طریقہ ہوتا ہے کہ تھوڑے نہیں لیتے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں خاموش ہو گیا کہ ٹھیک ہے یہ ان کی سوچ ہے۔ پھر مولوی صاحب نے جیب سے سو ریال کا ایک نوٹ نکالا، کہنے لگے میں اس کو سو ریال دیتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ یہ لیتا ہے یا نہیں لیتا؟ اب وہ سو ریال کا چمکتا ہوا نوٹ لے کر گئے اور انہوں نے اس فقیر کو پکڑانے کی کوشش کی۔ فقیر نے آگے سے قرآن مجید کی آیت پڑھی:

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ (النساء: ۱۴۲)

”یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کرتے ہیں، حالاں کہ اللہ نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔“

اب ان مولوی صاحب کے تو پسینے چھوٹ گئے، وہ توقع نہیں کرتے تھے کہ یہ فقیر آگے سے یہ آیت پڑھے گا۔ واپس آئے، کہنے لگے: مولانا! آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں، یہ عام فقیر نہیں ہے، یہ کوئی خاص ہی اللہ کا بندہ ہے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ اب دیکھنے میں وہ فقیر نظر آتا تھا، لیکن حقیقت کیا تھی؟ اس کو بندے نہیں جانتے، اللہ جانتے ہیں۔

کمزوروں کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے

لہٰذا اگر کسی کو آپ دیکھیں کہ وہ حقیر ہے، کمزور ہے تو مذاق کبھی نہ اڑائیں، کبھی اس کے اوپر سختی نہ کریں، کبھی اس کو گالی نہ دیں۔ یہ جو درجات کی تفریق ہے، یہ ایک انتظامی تفریق ہے۔ سب امیر بن جائیں تو دنیا چل نہیں سکے گی اور سب غریب بن جائیں تو بھی دنیا نہیں چل سکے گی۔ اللہ نے ضروریات کو ایک دوسرے سے مربوط کر دیا ہے۔ امیر کو خدمت کی ضرورت ہوتی ہے اور غریب کو مال کی ضرورت ہوتی ہے تو دونوں کا کام ایک دوسرے سے چلتا ہے۔ اللہ کے نزدیک کوئی چھوٹا بڑا نہیں۔

کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کام کرنے والے غریب لوگ جو پاس ہوتے ہیں ان پر بندے کی تقدیر کا معاملہ ہوتا ہے اور بندے کو پتہ ہی نہیں ہوتا، چناں چہ ایک صاحب کہنے لگے کہ میں نے ایک گھر خریدا اور مجھے اس میں پھولوں کے رکھنے کے لیے مالی کی ضرورت تھی تو میں نے ایک مالی رکھ لیا۔ وہ مالی کام میں لگنے کے بجائے زیادہ وقت بیٹھا رہتا تھا۔ پانی کا خیال ہی نہیں کرتا تھا۔ کبھی یہ پودا سوکھ گیا، کبھی وہ پودا مرجھا گیا، کبھی وہ پودا جل گیا۔ میں اسے ڈانٹتا بھی تھا، وہ چپ رہتا تھا، سن لیتا تھا اور پھر کام میں اسی طرح سستی کرتا۔ سویا رہتا یا کبھی خیالوں میں گم رہتا۔ اب کس حال میں ہے مجھے کیا پتہ! میں اس کو کہتا: تمہارا کام کی طرف دھیان ہی نہیں، توجہ ہی نہیں۔ ایک دفعہ ایک گلاب کا پودا سوکھ گیا، اس نے پانی نہیں دیا تھا۔ تو مجھے بڑا غصہ آیا۔ میں نے اس مالی کو تھپڑ لگا دیا کہ تو میری بات کو سمجھتا کیوں نہیں؟ پڑا رہتا ہے، پانی نہیں دیتا، کام نہیں کرتا۔ میں تجھے ایسے ہی تنخواہ مفت میں دیتا ہوں، دفعہ ہو جا یہاں سے۔ اب جب میں نے اسے کہا کہ دفعہ ہو جا یہاں سے تو اس نے

خاموشی سے اپنا سامان اٹھایا اور چلا گیا۔

کہنے لگے کہ میرا کاروبار خوب چل رہا تھا اور میں کروڑوں میں کھیل رہا تھا، لیکن اس کے جانے کی دیر تھی، دوسرے تیسرے دن مجھے کاروبار میں نقصان ہونا شروع ہو گیا۔ ایک نقصان ہوا، دوسرا نقصان ہوا، تیسرا نقصان ہوا۔ ایک سال کے اندر کاروبار سارے کا سارا نقصان کے اندر چلا گیا اور میں خود فٹ پاتھ پر آ گیا۔ خود مانگنے والا بن گیا۔ کہتے ہیں: میں بڑا پریشان تھا، بڑا استغفار بھی کیا اور میں نے سوچا کہ میں کسی اللہ والے کے پاس بھی جاتا ہوں۔ میں ایک اللہ والے کے پاس گیا اور میں نے سارے حالات سنا کر پوچھا: حضرت! میرے اوپر یہ حالات گزرے ہیں اور میں خود فقیر بن گیا ہوں، مانگنے کی حالت میں آ گیا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ تمہارے پاس کوئی کام کرنے والا تھا جس پر تم نے سختی کی اور اس کو دھکے دے کر نکال دیا۔ اس کے ساتھ تمہارا رزق وابستہ تھا، تمہارا رزق تمہارے گھر سے نکل گیا۔ اب تم بھی فقیر بن کر سڑک کے اوپر بھیک مانگو۔

تو ہمیں نہیں پتہ ہوتا کہ ہمارے ساتھ کام کرنے والوں میں سے کون کیا ہے اور کس حالت میں ہے؟ آپ انہیں سمجھائیں، اچھے انداز سے سمجھائیں۔ اگر سختی سے ہی سمجھاتے ہیں تو سمجھائیں، مگر اس کو گالی نہ دیں۔ دھکا نہ دیں، حقیر نہ جانیں۔ اس سے منع کر دیا گیا۔

عورتیں بھی مذاق نہ اڑائیں

فرمایا: وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ

"اور عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں۔"

جیسے مردوں میں آپس میں مذاق ہوتا ہے، نوجوان بچیاں بھی ہنسی مذاق کرتی رہتی ہیں تو اس کو مستقل طور پر منع کر دیا گیا۔ کیوں؟

عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ

"ہوسکتا ہے یہ عورتیں جن کا مذاق اڑا رہی ہیں، وہ اللہ کے نزدیک ان سے بہتر ہوں۔"

مردوں کے لیے بھی یہی حکم اور عورتوں کے لیے بھی۔ یہاں شریعت نے کتنی خوبصورت تعلیم دی کہ تم کسی کو اپنے سے کم نہ سمجھو، حقیر نہ سمجھو۔ بلکہ ہوسکتا ہے اللہ کے ہاں

اس کا درجہ بلند ہو۔ اس لیے شریعت نے مذاق اڑانے سے منع کر دیا اور ہماری آپس کی لڑائی جھگڑوں کی بنیادی وجہ بھی یہی بنتی ہے۔ نئی آنے والی دلہن کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور اس کے دل میں ساس اور نند کی نفرت بیٹھ جاتی ہے۔ یا بڑی بہو چھوٹی بہو کا مذاق اڑاتی ہے اور آپس میں دشمنی شروع ہو جاتی ہے۔ اس لیے یہ تمسخر اڑانا ہمارے تمام کینہ اور دشمنی کی بنیاد بن جاتی ہے۔

فائدہ (۴۸) گناہ سے نفرت ہو، گناہگار سے نہیں

یہاں پر ایک بات ذہن میں رکھیے کہ بندے کو گناہوں سے نفرت ہونی چاہیے، گناہگار سے نفرت نہیں ہونی چاہیے۔ اگر کوئی بندہ گناہ گار ہے، اس کو سمجھائیں، جلدی غصہ میں نہ آئیں۔ کئی ماں باپ نوجوان بچے کو نماز کے لیے اٹھنے کا کہتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ بچہ سستی کر رہا ہے تو غصہ میں آجاتے ہیں، کوسنا شروع کر دیتے ہیں: مُردوں کی طرح پڑا رہتا ہے، کھا پی کر بیل بن گیا ہے، نماز کا پتہ نہیں۔ بھئی! بیٹا جوان العمر ہے، اس عمر میں ویسے طبعاً بھی نیند گہری ہوتی ہے۔ اگر فجر میں اٹھنے میں کوئی کمی ہے تو سمجھاؤ، بار بار سمجھاؤ، Tember Loose (غصہ) کر جانا اور گالیاں دینا شروع کر دینا یہ اچھی چیز نہیں ہوتی۔ پیار سے ہی سمجھانا چاہیے۔ گناہ کرنے والا گناہ سے توبہ تب کرتا ہے جب اللہ توفیق دیتے ہیں۔ اللہ کی توفیق کے بغیر کوئی توبہ نہیں کر سکتا، یہ توفیق اللہ کی طرف سے ملتی ہے۔ اب اللہ کی مشیت میں اگر توفیق شامل نہیں تو تمھیں کیا مصیبت پڑی ہوئی ہے؟ اللہ کی رضا پر راضی رہو۔ ہمارا کام تھا سمجھانا، ہم نے سمجھا دیا۔ اب اگر وہ نہیں سمجھ پا رہا تو اللہ پر چھوڑ دو۔

حضرت امیر معاویہؓ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

إِنَّكَ إِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ أَفْسَدْتَهُمْ. [1]

"اگر تم لوگوں کے گناہوں کے پیچھے لگو گے تو گویا تم نے انھیں خراب کر ڈالا"

گناہ میں مبتلا شخص سے نفرت والا رویہ رکھنے کے بجائے محبت سے سمجھاتے رہیں، اللہ اس کے لیے سمجھنے کا کوئی سبب بنائے گا یا کوئی وقت آئے گا جس میں سمجھا دے گا۔

[1] سنن ابی داؤد: ۴۸۸۸

ایک شرابی نوجوان کے ذریعہ لشکرِ اسلام کی فتح

کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ اس واقعہ کو "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" میں علامہ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے۔ سیدنا عثمان غنیؓ کے زمانے میں ایک نوجوان شخص تھا، ابومحجن ثقفی اس کا نام تھا، طائف کا رہنے والا تھا۔ یہ شاعر تھا اور بڑا عقلمند تھا۔ شاعر لوگ بڑے عقلمند اور چالاک ہوتے ہیں۔ یہ تیز لوگ ہوتے ہیں، مگر ان کی طبیعت میں ایک خاص چیز ہوتی ہے، یہ موڈی قسم کے لوگ ہیں۔ اپنے موڈ میں ہوتے ہیں تو ان سے اشعار جاری ہو جاتے ہیں اور جب موڈ میں نہیں ہوتے تو پھر عام بندے کی طرح باتیں کرتے ہیں۔ چناں چہ شاعر بھی بہت اچھا تھا اور اس کو ایک مرض تھا کہ وہ شراب بھی پی لیتا تھا۔ ایک مرتبہ شراب پیتے ہوئے پکڑا گیا تو عثمان غنیؓ نے اس کو درّے لگوائے۔ دوبارہ پھر پکڑا گیا، پھر اس کے اوپر حد جاری کروائی گئی۔ جب دو دفعہ حد جاری ہوئی تو سیدنا عثمان غنیؓ نے سوچا یہ مدینۃ الرسول ہے، حرم ہے، یہ بندہ اگر یہاں رہ کر گناہ کرے گا تو یہ زیادہ برا ہے، اس سے بہتر ہے کہ اس کو باہر کہیں بھیج دیا جائے۔ جو لشکر شام کی طرف جا رہا تھا انہوں نے اس لشکر کے ساتھ اس کو بھی بھجوا دیا، مگر امیر لشکر کو بتا دیا کہ یہ آدمی شرابی ہے اس کی ذرا نگرانی زیادہ کرنا۔ اب جو امیرِ لشکر تھے وہ تھے سعد بن ابی وقاصؓ اور یہ لشکر قادسیہ کی طرف جا رہا تھا۔ سعد ابن ابی وقاصؓ نے اس کو نگرانی میں رکھا۔ وہ شام میں بھی شراب پیتا ہوا پکڑا گیا تو سعد ابن ابی وقاصؓ نے تیسری مرتبہ حد لگوائی اور فیصلہ کیا کہ اب اس کا کھلا رہنا ٹھیک نہیں، اب اس کو جیل میں ڈالنا چاہیے۔ سعد بن ابی وقاصؓ کے اپنے خیمے کے ساتھ ایک خیمہ تھا، انہوں نے اس کو جیل کا کمرہ بنا دیا اور اس کو وہاں قید کر دیا۔

اب یہ نوجوان وہاں بند ہے، پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں، ہاتھ میں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی ہیں اور اس کی نگرانی سعد ابن ابی وقاصؓ خود کر رہے ہیں کہ کہیں قیدی بھاگ نہ جائے۔ اللہ کی شان کہ ادھر سے مسلمانوں نے جہاد شروع کر دیا، مسلمانوں کے مقابلے میں رستم آیا، رستم کے پاس تین لاکھ فوج تھی، اور مسلمانوں کی کل تعداد تیس ہزار تھی۔ اب

آپ بتائیں تین لاکھ کے مقابلے میں تیس ہزار تو نظر ہی نہیں آتے اور یہ جنگ نو دن رہی۔ کافروں کی چوں کہ تعداد زیادہ تھی، لہٰذا کافر غالب نظر آتے تھے اور مسلمان کمزور محسوس ہو رہے تھے۔ کیوں کہ جہاں ایک مسلمان ہوتا تھا، ایک مسلمان کو تیس کافروں نے گھیرا ہوا ہوتا تھا، تو کفار کی کثرت کی وجہ سے مسلمان بھی شہید ہو رہے تھے، کیوں کہ مسلمان تھک جاتے تھے اور ویسے بھی رستم کا دبدبہ تھا، وہ بڑا بہادر مانا جاتا تھا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ رستم کی وجہ سے اس کی فوج بڑے جوش خروش میں ہے اور لڑ رہی ہے۔ اب جب مسلمان کمزور تھے اور شکست کھا رہے تھے تو ہمتیں پست ہو رہی تھیں۔

دو تین دنوں کے بعد خبر عام ہونی شروع ہوگئی کہ مسلمانوں کو شکست ہو رہی ہے اور کافر جیت رہے ہیں۔ یہ خبر بالآخر خیمے تک بھی پہنچی، عورتوں تک بھی پہنچی۔ وہ جو قیدی تھا، اس نے بچوں کی طرح اونچا اونچا رونا شروع کر دیا، جیسے کوئی بچہ رو رہا ہوتا ہے۔ اب ایک نوجوان آدمی ہے اور وہ بچوں کی طرح رو رہا ہے، چیخ رہا ہے، چلا رہا ہے تو سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیوی سلمہ رضی اللہ عنہا حیران ہوئیں کہ یہ بچوں کی طرح کون رو رہا ہے؟ ان کو بتایا گیا کہ جی! آپ کے ساتھ والے خیمے میں جو قیدی ہے وہ رو رہا ہے۔ انہوں نے بندے کو بھیجا کہ بھئی! جاؤ دیکھو وہ کیوں رو رہا ہے؟ بندے نے آ کر بتایا کہ جی وہ اس لیے رو رہا ہے کہ اس نے خبر سنی ہے کہ مسلمانوں کو شکست ہو رہی ہے اور اس سے یہ بات برداشت نہیں ہو رہی اور وہ رو رہا ہے کہ میری جوانی کا کیا فائدہ؟ اللہ نے مجھے یہ جو اتنا تندرست جسم دیا ہے، اس جسم کا کیا فائدہ کہ میرے جیتے جی مسلمانوں کو شکست ہو جائے۔ کاش! میں آزاد ہوتا، یہ بیڑیاں کھل جاتیں، یہ ہتھکڑیاں کھل جاتیں، تو آج مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کرتا اور اسلام کی تقویت کا سبب بنتا۔ اب وہ جو اسلام کے ساتھ محبت تھی وہ اس شرابی کے اوپر غالب آگئی، جب سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات سنی تو انہوں نے ابو محجن سے بات کی کہ بھئی! تو تو شرابی آدمی ہے اور تو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اتنی بے تابی کا اظہار کر رہا ہے کہ رو رہا ہے۔ اس نے کہا: میں شرابی ضرور ہوں، یہ میری عادت ہے، میں پی جاتا ہوں، لیکن میرے دل میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے اور میں بالکل صحیح کہہ رہا ہوں کہ آج اگر میں آزاد ہو

جاؤں تو شاید میں دین اسلام کے کچھ کام آجاؤں۔ سلمہؓ نے پوچھا: اس کا کیا حل ہے؟ اس نے کہا: جی! اس کا حل یہ ہے کہ آپ میرے اوپر اعتماد کریں اور مجھے آزاد کردیں اور جو آپ کے خاوند کا سب سے تیز بہادر گھوڑا ہے وہ مجھے دے دیں اور جوان کی سب سے بہترین تلوار ہے وہ مجھے دے دیں۔ میں جا کر جہاد کروں گا، اگر میں جہاد میں شہید ہو گیا تو قصہ ختم ہو جائے گا اور اگر میں زندہ رہا تو میں وعدہ کرتا ہوں اور اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں واپس آکر یہ بیڑیاں خود اپنے پاؤں میں پہن لوں گا۔ لو جی! صحابیہؓ نے ان کو کھول دیا اور وہ گھوڑے پر یوں سوار ہوئے جیسے کوئی شیر بیٹھتا ہے اور ہاتھ میں تلوار لی اور اپنے آپ کو خوب لپیٹ لیا کہ ان کا چہرہ بھی کوئی نہ دیکھ سکے، کوئی پہچان بھی نہ سکے۔ یہ گھوڑا ایسا تھا کہ اس کے اوپر کوئی عام آدمی نہیں بیٹھ سکتا تھا، بہت جری اور بہادر گھوڑا تھا۔ بڑا کوئی مشق والا انسان اس کے اوپر سواری کرسکتا تھا۔ اس نے اس گھوڑے کو بھگایا اور مسلمانوں کے لشکر میں جا پہنچا، پھر جہاں پر سب سے زیادہ گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی نا! مسلمان کفار کے نرغے میں تھے وہ وہاں گیا اور اس نے وہاں جا کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور تلوار چلانی شروع کی۔ اب وہ اتنا مشاق تھا، اتنا بہادر تھا کہ اس نے تو مولی گاجر کی طرح دشمن کو کاٹنا شروع کردیا۔ دشمن کی صفوں پر اس کا خوف بیٹھ گیا۔ اب جہاں وہ دیکھتا کہ مسلمان نرغے میں ہیں اور دوسرے لوگ اس کے گرد زیادہ ہیں، دشمن زیادہ ہیں۔ وہ وہاں جاتا ''اللہ اکبر'' کا نعرہ لگا کر کود پڑتا، اپنے آپ کو وہ اس کے اندر ڈال دیتا۔ اتنا وہ تلوار باز تھا کہ اس کی تلوار سے دشمن قتل ہوتے جاتے اور دشمن بھاگ جاتے۔ حتیٰ کہ رستم تک کے دل میں اس کا رعب بیٹھ گیا۔ اب جب اس کا رعب بیٹھ گیا تو کافروں نے پست ہونا شروع کردیا، ادھر مسلمانوں کا جوش خروش اور بڑھ گیا۔ سعد ابن ابی وقاصؓ دور بیٹھے ہوئے یہ سارا منظر خود دیکھ رہے تھے۔ حیران بھی ہو رہے تھے کہ یہ کون بندہ ہے کہ جس کو ہم پہچانتے بھی نہیں اور جو صبح ہمارے ساتھ نہیں تھا۔ اچانک کہیں سے آیا اور اس کی وجہ سے جنگ کا پانسا ہی پلٹ گیا۔ اللہ کی رحمت ہوئی، شام کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمادی۔ قادسیہ فتح ہو گیا۔

اب سعد بن ابی وقاصؓ نے سوچا کہ میں اس مجاہد کو دیکھوں کہ جو فلاں گھوڑے کے

اوپر سوار تھا۔ انہوں نے بہت تلاش کیا، لیکن وہ مجاہد ملتا ہی کہیں نہیں تھا۔ ادھر سے پوچھا، اُدھر سے پوچھا، کوئی پتہ نہ چلا۔ سعد ابن ابی وقاص ؓ خوش بھی تھے اور حیران بھی تھے۔ خوش اس لیے تھے کہ اللہ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمادی، اللہ نے اسلام کو غالب فرمادیا۔ حیران اس بات پر تھے کہ وہ مجاہد کہاں گم ہوگیا؟ جس کی وجہ سے جنگ کا پانسہ ہی پلٹ گیا، آسمان پر اٹھ گیا، یا زمین اس کو نگل گئی۔ وہ پھر اپنے خیمے میں چلے اور اپنی بیوی کو بتایا کہ اللہ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمادی۔ لیکن مجھے لگتا ہے آج کوئی اللہ کی خاص مدد ہوئی ہے۔ بیوی نے پوچھا: وہ کیسے؟ انہوں نے کہا: لگتا ہے کوئی فرشتہ اللہ نے بھیجا تھا اور اس کو ہم پہچانتے نہیں تھے اور اس نے تو میرے گھوڑے کے اوپر سواری کی ہوئی تھی اور ایسے لگتا تھا کہ میری تلوار اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اتنا بے جگری سے لڑ رہا تھا، اس ایک بندے کی وجہ سے اللہ نے اسلام کو فتح عطا فرمادی۔

جب انہوں نے یہ واقعہ سنایا تو پھر بیوی نے انہیں بتایا کہ بھئی وہ فرشتہ نہیں تھا، وہ قیدی تھا جو ہمارے ساتھ والے خیمے میں قید ہے۔ سعد ابن ابی وقاص ؓ بڑے حیران ہوئے۔ ساتھ والے خیمے میں آکر دیکھا تو وہ نوجوان بیٹھا ہوا ہے، اسی طرح ہتھکڑیاں پہنی ہوئی ہیں اور پاؤں میں بیڑیاں پہنی ہوئی ہیں۔ تو سعد ابن ابی وقاص ؓ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے آج وہ سارا جنگ کا معاملہ کیا؟ اس نے کہا: جی ہاں! میں شرابی ہوں، مگر میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت بھی کرتا ہوں۔ اس لیے میں آج اسلام کی محبت کی وجہ سے نکل پڑا اور میں نے اپنے آپ کو شہادت کے لیے پیش کیا، مگر میری قسمت میں شہادت نہیں تھی، میں پھر آگیا ہوں اور میں نے یہ بیڑیاں باندھی ہوئی ہیں۔ سعد ابن ابی وقاص ؓ نے فرمایا میں اپنے ہاتھ سے تمہاری ہتھکڑیاں کھولتا ہوں اور آج کے بعد اگر تو شراب پیے گا بھی سہی تو میں تمہارے اوپر حد جاری نہیں کروں گا۔ تمہارے دل میں اگر اللہ کی اتنی محبت ہے تو میں تمہارے اوپر حد نہیں جاری کروں گا۔ جب انہوں نے یہ الفاظ کہے تو ان کا اس قیدی کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے قسم اٹھا کر کہا: میں اللہ کو گواہ بنا کر قسم اٹھاتا ہوں کہ آج کے بعد میں شراب نہیں پیوں گا۔ توبہ کا یہ وقت تھا جو اللہ نے متعین کیا ہوا تھا، اس نے توبہ کر کے

ثابت کر دیا کہ جب اللہ چاہتے ہیں اللہ انسان کو توبہ کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔[1]

اس لیے اگر ہم اپنے گھر میں یا کوئی کسی مجلس میں کسی کے ساتھ مذاق کرے تو مذاق ایسا ہو کہ خوش طبعی کے طور پر ہو، دوسرے کی دل آزاری نہیں ہونی چاہیے، دوسرے کو چھوٹا نہیں سمجھنا چاہیے، دوسرے کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے، دوسرے کو بے وقوف نہیں سمجھنا چاہیے۔ جیسے کہہ دیتے ہیں کہ یہ بے وقوف ہے، پاگل ہے، اس کو تو پتہ ہی نہیں ہے، ایسے نہ مذاق اڑائیں کسی کا۔ یہ مذاق اڑانا منع ہے، اس کی وجہ سے دلوں میں نفرتیں آتی ہیں اور آپس میں دشمنیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

فائدہ (۳۹) ایک دوسرے کو طعنے دینا درست نہیں

فرمایا: ''وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ '' (اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو) تمسخر سے کام شروع ہوتا ہے اور پھر بات بڑھتے بڑھتے الزام تراشی پر آجاتی ہے۔ الزام ہوتا ہے کسی کو کسی عیب کے ساتھ موسوم کر کے طعنہ دینا۔ جیسے کہہ دیتے ہیں: یہ تو بڑا احمق ہے، یہ تو بڑی بے وقوف ہے، یہ تو جاہل ہے، اس قسم کے الفاظ دوسرے بندے کے لیے الزام ہوتے ہیں، ان سے منع کر دیا گیا۔

فائدہ (۴۰) برے القاب سے پکارنا درست نہیں

فرمایا: ''وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ'' (اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو) القاب سے مراد ایسے نام رکھ دینا جس سے دوسرے کی دل آزاری ہو، اس سے بھی منع کیا گیا۔ جیسے کچھ لوگ بولنے لگ جاتے ہیں: یہ تو الو ہے، یہ گدھا ہے، اس کو کچھ پتہ ہی نہیں، اس قسم کے نام رکھ دیتے ہیں۔ ایک چھوٹا بچہ ہے، اس کا قد چھوٹا ہے اور وہ موٹا ہے تو اس کا نام مولو رکھ دیا جائے یا گٹور رکھ دیا جائے۔ جیسے ایک بچہ ہمارے قریب میں بھی ہے اس کو مذاق سے لوگ گٹو کہتے ہیں۔ اس قسم کے نام رکھنے کو شریعت میں منع کر دیا گیا جو نام حقارت پر مبنی ہوں، ان سے منع کیا گیا۔

---

[1] الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۷ر ۲۹۹، ابو محجن الثقفی

کئی مرتبہ القاب ایسے بھی ہوتے ہیں جو پہچان کے لیے ہوتے ہیں تو شریعت میں اس کو منع نہیں کیا گیا۔

جیسے محدثین میں ایک محدث گزرے ہیں حمید الطویل، ان کا اونچا قد تھا تو پہچان کے لیے ان کو "حمید الطویل" کہتے تھے۔ یعنی ہم اپنی زبان میں کہیں گے حمید لمبو۔ تو واقعی ہے تو لقب لیکن ان کی پہچان ہی اس وقت ایسی بن گئی تھی، تو محدثین نے ان کو حدیث میں حمید الطویل کے نام سے لکھا ہے اور یہ برا نہیں بنے گا، کیوں کہ پہچان کے لیے ہے۔

۞ --اسی طرح اعمش کہتے ہیں کہ جو پوری طرح نابینا بھی نہ ہو اور آنکھیں اس کی بند بھی نہ ہوں، جسے ہم "چنا بندہ" سمجھتے ہیں۔ ایک فقیہ گزرے ہیں، ان کا نام ہی امام اعمش پڑ گیا تھا تو پہچان کے لیے اعمش کا نام لینا ٹھیک ہے۔

۞ --اسی طرح ایک صحابی تھے ان کا نام تھا عبدالرحمٰن۔ انہوں نے بلی پالی ہوئی تھی، ان کو ایک مرتبہ نبی ﷺ نے "أَبَا هِرٍّ" کہہ دیا۔ "هِرَّةٌ" بلی کو کہتے ہیں اور بلے کو "هِرٌّ" کہتے ہیں۔ اب ان کو نبی ﷺ کی مبارک زبان سے نکلا ہوا لفظ اتنا اچھا لگا کہ وہ کہتے تھے: مجھے عبدالرحمٰن نہ کہا کرو، مجھے "أَبَا هِرٍّ" کہا کرو کہ یہ نام میرے محبوب ﷺ کی زبان سے نکلا ہے۔ اب آگے "هِرٌّ" کو لوگوں نے تصغیر میں ڈال دیا تو "هُرَيْرَةٌ" بنا دیا تو وہ ابو ہریرہؓ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ یہ جو صحابی ابو ہریرہؓ ہیں ان کا نام عبدالرحمٰن تھا، مگر یہ ابو ہریرہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ اب چوں کہ اس نام سے معروف ہو گئے تو اس نام سے ان کو پکارنا یہ منع نہیں ہوگا۔ [1]

حضرت علیؓ کی کنیت شروع میں ابوالحسن تھی۔ حسنؓ و حسینؓ کے والد تھے۔ حضرت علیؓ ایک مرتبہ زمین پر لیٹے ہوئے تھے تو ان کے رخسار پر، جسم پر مٹی لگ گئی تھی۔ نبی ﷺ تشریف لائے، نبی ﷺ نے رخسار اور جسم پر مٹی لگی دیکھی تو ان کو پکارا: "اے ابوتراب!" اب یہ نام ان کو اتنا اچھا لگا کہ وہ کہا کرتے تھے مجھے ابوالحسن کے بجائے ابوتراب کہا کرو کہ میرے آقا نے مجھے ابوتراب کہا ہے۔ [2]

---

[1] المستدرک علی الصحیحین، رقم: ۶۱۴۱، ذکر ابی ہریرۃ الدوسی [2] صحیح البخاری، رقم: ۳۷۰۳، باب مناقب علی بن ابی طالب

تو ایسا نام ہو جس سے لوگ خوش ہوتے ہوں یا ان کی پہچان بن جائے تو اس سے پکارنا برا نہیں ہے، لیکن اگر نام ایسا ہے کہ اس سے دوسرے کی دل آزاری ہوتی ہو اور دوسرے کی اس میں ذلت ہوتی ہو اور اس کو چھوٹا سمجھا جاتا ہو تو ایسا نام نہیں لینا چاہیے۔ یاد رکھیں پہلے مذاق ہوتا ہے، پھر اس کے بعد نام دیے جاتے ہیں اور پھر اس کے بعد الزامات لگائے جاتے ہیں۔ یہ چیز پھر نفرت کی بنیاد بن جاتی ہے۔

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ

''ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا بہت بری بات ہے۔''

فائدہ (۴۱) فسق و فجور کے کام ایمان والوں کو زیبا نہیں

یاد رکھ لینا! فسق و فجور کا یہ کام کرنا سب سے برا کام ہے۔ تم تو ایمان والے ہو نا! تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم فسق و فجور میں پڑو۔ بات خوش طبعی سے شروع ہوگی اور آگے جا کر الزام تراشی کے اوپر اور فسق و فجور کے اوپر پہنچے گی۔ تو فرمایا کہ ایمان لانے کے بعد فسق و فجور کا کام کرنا بہت برا ہے۔ ایمان والو! تم اس سے بچ کر رہنا۔

وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

''اور جو توبہ نہیں کریں گے وہی لوگ ہیں جو ظلم کرنے والے ہیں۔''

بری عادات و اخلاق سے توبہ نہ کرنا ظلم ہے

جو اپنی ان بری عادات اور برے اخلاق پر متنبہ نہیں ہوتے اور توبہ نہیں کرتے، وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے لوگ ہوں گے۔

تو اس آیت میں ایک پورا باب بتا دیا گیا کہ تم کام شروع کرو گے ہنسی مذاق سے، اس وقت تمہارا ارادہ برا نہیں ہوگا، لیکن یہ مزاح چیز ایسی ہے کہ آہستہ آہستہ شیطان اس کو خوش طبعی کے بجائے تمسخر بنا دے گا۔ پھر مذاق اڑانے والا حقارت سے مذاق اڑائے گا۔ چوں کہ مذاق اڑانے کی عادت ہے تو حقارت سے مذاق اڑائیں گے، دوسرے کو چھوٹا سمجھتے ہوئے مذاق اڑائیں گے۔ پھر کیا ہوگا؟ پھر ان کو القابات بھی دینا شروع کر دیں گے، برے نام بھی دینا شروع کر دیں گے اور جب الزامات لگائیں گے تو دلوں کے اندر پھر نفرتیں

آجائیں گی۔ فرمایا: اگر تم ایسا کرو گے تو آپس میں دلوں میں نفرتیں پیدا ہو جائیں گی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ⑫
”اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچتے رہو، کیوں کہ بعض گمان تو گناہ ہیں اور تجسس بھی نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی سے غیبت کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ سو اس کو تو تم ناپسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہے۔“

مومنین کے درمیان کینہ پیدا ہونے کی دوسری بڑی وجہ بدظنی یا بدگمانی ہے۔ اس آیت میں ایمان والوں کو بدگمانی اور اس کے متعلقات سے منع فرمادیا۔

فائدہ (۴۲) بدگمانی سے ہمیشہ بچنا چاہیے

فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ (اے ایمان والو! زیادہ گمان کرنے سے بچو) گمان کرنے کا مطلب ہوتا ہے کسی کے بارے میں اندازہ لگانا۔ جیسے عورتوں میں اکثر گمان کرنے کی یہ عادت ہوتی ہے، حتیٰ کہ آپ فون پر کسی سے بات کر رہے ہیں آواز میں کچھ تبدیلی ہے، تو فوراً آگے سے پوچھیں گی، جی! آج آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔ بھئی! بندہ ابھی سو کر اٹھا ہے تو آواز خراب نکل رہی ہے، اس کا یہ مطلب تھوڑا ہے کہ بندہ بیمار ہے۔ لیکن تھوڑی سی آواز کی تبدیلی سے فوراً گمان کرلیں گی کہ آج آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ یہ جو گمان لگانے ہوتے ہیں اس سے بندے کو بچنا چاہیے۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ. [1]

”تم بدگمانی سے بچو اس لیے کہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔“

[1] صحیح البخاری، ۶۰۶۶

فائدہ (۴۳) ہر ظن منع نہیں، بعض ظن ضروری ہوتے ہیں

اب یہاں ''اجۡتَنِبُوۡا کَثِیۡرًا مِّنَ الظَّنِّ '' کہا، ہر ظن سے منع نہیں کیا۔ کچھ ظن ضروری ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ نماز پڑھ رہے ہیں، آپ رکعت بھول گئے کہ میں نے تین پڑھی ہیں یا چار پڑھی ہیں۔ تو شریعت حکم دیتی ہے کہ تم اپنے ذہن میں ایک فیصلہ کرو کہ تین یا چار۔ اس کو کہتے ہیں ظنِ غالب۔ یہ لازم ہے اس بندے پر، یہ واجب ہوتا ہے بندے پر۔ ہر ظن برا نہیں ہوتا۔ شریعت کی خوبصورتی ہے۔ فرمایا: ''کَثِیۡرًا مِّنَ الظَّنِّ '' یعنی بہت سارے ظن برے ہوتے ہیں، لیکن کچھ اچھے بھی ہوتے ہیں۔ ان اچھوں میں یہ ظن غالب بھی ہوتا ہے۔ فیصلہ کرلو تین ہیں یا چار۔ جب کرلیا پھر اس کے مطابق رکعت پوری کر کے سجدۂ سہو کرلو نماز ہو جائے گی۔

ہم ریگستان میں ایک جگہ نماز پڑھنا چاہتے ہیں، ہمیں قبلے کا پتہ نہیں، شریعت کہتی ہے کہ بھئی! اپنی طرف سے تم تحقیق کرلو کہ کس طرف قبلہ ہے۔ جہاں تمہارا دل مانتا ہے بس اس گمان پر پکے ہو جاؤ۔ اس کو ظن غالب کہا جائے گا۔ جی! میرا دل کہتا ہے ادھر قبلہ ہے۔ ہاں! ادھر رخ کرو اور ادھر نماز پڑھو، قبلہ پیچھے بھی ہوا تو بھی تمہاری نماز ہو جائے گی، کیوں کہ تم نے ظن غالب پر عمل کیا ہے۔ اب فرض کرو یہ بندہ ظن غالب کی وجہ سے سامنے نماز پڑھ رہا ہے، خیال آیا کہ نہیں قبلہ تو پیچھے تھا مجھ سے تعین کرنے میں غلطی ہوئی۔ شریعت کہتی ہے: اگر اب تمہارا ظن غالب یہ ہو گیا ہے تو نماز کے دوران ہی تم اپنا رخ پیچھے کی طرف کر کے ادھر نماز پڑھ لو۔ دو ادھر پڑھی تھیں، دو ادھر پڑھیں، نماز پھر بھی قبول ہو جائے گی، تو ظن غالب کی اہمیت ہے، اگر ظنِ غالب نہ ہو ویسے ہی کوئی رخ پھیر لے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

آپ بتائیں آپ وضو کر کے آئے تھے، جوتا اتارا، قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز شروع کردی، دو رکعت کے بعد خیال آیا کہ میرا تو قیمتی جوتا تھا، اتنا مہنگا تھا اور میں نے اتار دیا ہے کوئی پیچھے سے اٹھا کر بھاگ گیا تو کیا بنے گا؟ اب اس فکر میں آپ اپنا رخ جوتے کی طرف کرلیں تو کیا نماز ہو جائے گی؟ عمل تو ویسا ہی کیا لیکن اب نیت ظن غالب والی نہیں ہے، بلکہ دنیا کے مال کی نیت ہے جس نے کہ نماز کو توڑ دیا۔ حالاں کہ کام دونوں صورتوں

میں ایک جیسا ہوا۔ تو ظن غالب کی ایک اہمیت ہے۔ نماز کے اندر ظن غالب کی وجہ سے اپنی کمی کو پورا کر سکتا ہے۔

فائدہ (۴۴) اللہ سے حسنِ ظن فرض ہے

اور ایک ظن ہے جو فرض ہے۔ وہ ہے اللہ کے ساتھ حسنِ ظن رکھنا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تمہیں اس وقت تک موت نہ آئے جب تک اللہ کے ساتھ حسنِ ظن نہ ہو، کبھی اللہ کے ساتھ دل میں بدگمانی نہ آنے دینا کہ ایسے کیوں کیا؟ ایسے کیوں ہوا؟ ایسے کیوں نہ ہوا؟ بس ایک ہی بات سمجھے کہ اللہ نے جو کیا اس میں خیر ہوگی۔ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ ہمیں تو بہت ساری چیزیں سمجھ میں نہیں آتیں۔ ہماری سمجھ کا کیا کہنا ہم تو جگہ جگہ ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں، اللہ کی حکمتوں کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اللہ دی اکھیاں وڈیاں

ہماری والدہ صاحبہ پنجابی بولتی تھیں اور ایسی کوئی بھی بات ہوتی تھی تو فرماتی تھیں: ”اللہ دی اکھیاں وڈیاں۔“ (اللہ کی آنکھیں بڑی ہیں۔) اب میں بچہ تھا تو مجھے سمجھ نہیں آتی تھی کہ ایسے کیوں کہتی ہیں؟ کہ اللہ کی آنکھیں اتنی چھوٹی ہیں اور بھینس کی آنکھیں اتنی موٹی ہوتی ہیں اور امی کہتی ہیں اللہ کی آنکھیں بڑی تو پتہ نہیں اللہ کی آنکھیں کتنی بڑی ہوں گی، تو میں نے ایک دن پوچھ لیا کہ امی! آپ کہتی ہیں اللہ کی آنکھیں بڑی تو اس کا کیا مطلب؟ تو انہوں نے سمجھایا: بیٹا! اللہ جو دیکھتا ہے وہ ہم نہیں دیکھ سکتے۔ بس اس کو کہنے سے دل کو تسلی ہو جاتی ہے کہ اللہ نے ایسا کیا ہے تو ٹھیک کیا ہے۔ ہماری سمجھ میں تو بہت ساری چیزیں اور بھی نہیں آتیں یہ بھی نہیں آ رہی تو کیا ہوا؟ تو اللہ کی آنکھیں بڑی ہیں، اللہ جو کرتا ہے اس میں خیر ہوتی ہے۔ تو اندھا یقین ہو اور اللہ کے ساتھ حسنِ ظن ہو۔ اور یہ حسنِ ظن انسان پر فرض ہے۔ ہر مومن کے اندر اللہ کے بارے میں یہ حسنِ ظن ہونا چاہیے۔ اگر بدگمانی ہوگی تو ایمان خطرے میں ہے۔ حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ. [1]

[1] صحیح بخاری، رقم: ۷۴۰۵

''میں بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں۔''

جیسا وہ گمان کرتا ہے میں اس کے ساتھ ویسا عمل کر دیتا ہوں۔ تو ہم اچھا گمان رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ اچھا معاملہ فرمائیں گے۔ اس لیے ''كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ'' کہا۔ ہر ظن کو برا نہیں کہا۔ بہت سارے ظن برے ہوتے ہیں مگر اچھے بھی ہوتے ہیں۔ تو ''اِجْتَنِبُوْا'' کا لفظ ہمیں یاد رکھنا ہے۔

فائدہ (۴۵) بعض ظن گناہ ہوتے ہیں

آگے فرمایا: اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں)۔ بعض دفعہ انسان گمان نہیں کرتا بدگمانی کر بیٹھتا ہے۔ یہ بدگمانی ایک دوسرا باب ہے آپس میں نفرتوں کے پھیلنے کا۔ بھئی! گمان تو گمان ہے، انسان کے اندر اچھا خیال بھی آسکتا ہے، برا بھی آسکتا ہے۔ اب جس سے دوستی ہوتی ہے اس کے بارے میں اچھا گمان آتا ہے اور جس سے محبت کم ہوتی ہے اس کے بارے میں برا گمان پہلے آتا ہے۔

ایک مثال دیتا ہوں۔ کئی سال پہلے کی بات ہے۔ بنوں سے ایک آدمی ملنے کے لیے آیا۔ اس وقت میرا بیٹا سیف اللہ چھوٹا تھا۔ سرمد سے بھی شاید چھوٹا تھا۔ اور یہ کندھے پر میرے پیچھے چڑھا ہوا تھا اور مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔ جب وہ ملنے والا بندہ آگیا تو میں نے اسے اشارہ کیا کہ تم اب آرام سے بیٹھ جاؤ تو یہ آرام سے پیچھے بیٹھ گیا۔ اب اس آدمی کے دل میں یہ بات آئی کہ یہ لڑکا سا کون ہے؟ ہمارے حضرت کے ساتھ اتنی محبت کا اظہار کر رہا ہے۔ تو اس نے سیف اللہ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا: جی! میں حضرت کا خادم ہوں۔ اس کی عادت ہے، یہ بچپن سے ہی اپنا تعارف بیٹے کے طور پر نہیں کرواتا، بس یہی کہتا ہے کہ میں حضرت کا خادم ہوں۔ اب اس نے جب یہ تعارف کروایا تو وہ پریشان ہوگیا کہ حضرت نے اپنی خدمت کے لیے چھوٹے بچے کو رکھا ہوا ہے اور وہ حضرت کے کندھے پر چڑھا ہوا کھیل رہا ہے۔ اب اس کے دل میں بدگمانی آگئی۔ وہ مل کر گیا اور غائب ہی ہوگیا۔ کئی سال اس سے ملاقات نہیں ہوئی اور کئی سال بعد وہ آیا اور آکر کہنے لگا کہ حضرت! مجھے معاف کر دیں، مجھ سے غلطی ہوگئی۔ میں نے کہا: کیا غلطی ہوئی؟ کہنے لگا:

یہ سیف اللہ جس کو آپ نے خلافت دی ہے یہ آپ کا بیٹا ہے؟ میں نے کہا: ہاں! بیٹا ہے۔ کہنے لگے کہ میں جب پہلے آیا تھا تو یہ چھوٹا بچہ تھا، یہ آپ کا کندھوں پر کھیل رہا تھا، میں نے پوچھا کون ہو؟ اس نے کہا: میں خادم ہوں۔ میرے دل میں بدگمانی آ گئی کہ حضرت بے ریش بچوں کو اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اب آپ بتائیے کہ یہ جو ظن ہوتا ہے اس نے اس کو کس لائن پر چڑھا دیا تو یہ جو ظن اور گمان ہوتے ہیں یہ اکثر گناہ ہوتے ہیں۔

بدگمانی کے وساوس شیطان ڈالتا ہے

سیدنا رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ اپنی ایک اہلیہ سیدہ صفیہؓ کے ساتھ کھڑے تھے، دو صحابہ گزرے۔ آپ ﷺ نے ان صحابہ کو واپس بلایا اور فرمایا کہ دیکھو بھئی! یہ میری بیوی صفیہ ہیں یہ میرے ساتھ کھڑی ہیں۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے حبیب! ہم تو آپ کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے کہ کوئی غیر عورت ہوگی۔ فرمایا: شیطان انسان کے اندر اس طرح دوڑتا ہے جس طرح جسم کے اندر خون دوڑ رہا ہوتا ہے۔ تو تمہارے ذہن کے اندر بھی یہ خیال آ سکتا تھا، میں نے اس خیال کو پہلے ہی صاف کر دیا۔ اگر ہمارے معاشرے سے بدگمانی نکل جائے تو ہمارے معاشرے میں آپس کے جتنے فساد ہیں وہ ختم ہو جائیں گے اور ہمارا ماحول معاشرہ جنت کا نمونہ بن جائے گا۔ [1]

بدگمانی سے بچنے کا طریقہ

بدگمانی سے بچنے کے لیے دو باتوں کا خیال رکھیں:

۱۔ مومنین سے ہمیشہ حسنِ ظن رکھیں

ہمیشہ دوسروں سے حسنِ ظن رکھیں، اچھا گمان رکھیں۔

ظُنُّوْا بِالْمُؤْمِنِيْنَ خَيْرًا.

"ایمان والوں کے ساتھ اچھا گمان رکھو۔"

ہر بات کی کوئی اچھی تاویل بھی تو ہو سکتی ہے؟ اچھی تاویل کیا کرو۔ کیا اچھی تاویل کریں؟ فرض کریں ایک بندہ سویا ہوا ہے۔ گمان دل میں آ سکتا ہے: او جی! اس نے فجر کی

---

[1] صحیح البخاری، رقم: ۲۰۳۸، باب صفۃ ابلیس وجنودہ

نماز نہیں پڑھی۔ بھئی! اچھی تاویل بھی تو ہو سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے اوّل وقت میں اٹھ کر فجر پڑھ لی ہو اور دوبارہ پھر سو گیا ہو۔ یہ ضروری تو نہیں کہ اس نے نماز قضا کر دی ہے، کیوں بدگمانی کر رہے ہو؟ شریعت کہتی ہے: مومنین کے ساتھ اچھا گمان کرو۔

شریعت نے ہمیں یہاں تک فرمایا کہ اگر کوئی بندہ دیکھے کہ ایک غیر محرم مرد اور ایک غیر محرم عورت ایک گھر میں اکیلے تھے اور وہ وہاں سے باہر نکلے اور دونوں کے جسموں سے پتہ چلتا تھا کہ انہوں نے غسل بھی کیا ہوا ہے۔ تو شریعت کہتی ہے کہ یہ مت سوچو کہ انہوں نے زنا کیا اور غسل کیا، بلکہ یہ سوچو کہ یہ غسل توبہ کر کے نکلے ہیں۔ ان دنوں نے اپنے گناہ سے توبہ کرنی تھی، غسل کیا اور اب توبہ کی نیت سے یہ گھر سے باہر نکل رہے ہیں۔ یہ مت سوچو یہ زنا کر کے گھر سے باہر نکل رہے ہیں۔ شریعت ہمیں اتنا اچھا گمان کرنا سکھاتی ہے اور ہم کیا سوچتے ہیں کوئی کسی سے بات کر رہا ہے، یہ بھی برا کر رہا ہے، وہ بھی برا کر رہا ہے۔ یہی چیز بدگمانی بنتی ہے۔

اصول یہ ہے کہ اگر کسی کی غلطی بھی دیکھی اور اس کی ستر توجیہات برائی کی نکلتی ہوں اور کوئی ایک توجیہ اچھی ہو تو بس وہی ایک توجیہ نکال کر اس کے ساتھ حسنِ ظن رکھو کہ مومن، ایمان والا ہے میں اس کے ساتھ بدظنی کیوں رکھوں؟ جب ہمارا یہ معاملہ ہوگا تو بتائیں گھروں میں آپس کے چھوٹے چھوٹے جھگڑے ہوں گے؟ ان جھگڑوں کی بنیاد ہی بدگمانی ہوتی ہے۔ تم اچھی توجیہ نکال لو اور اپنے آپ کو مطمئن کر لو۔ شیطان کو کسی کے خلاف دل میں کینہ ڈالنے کا موقع کیوں دیتے ہیں؟ اگر کسی بندے نے گناہ کیا اور تنہائی میں کیا تو معاملہ اس کے اور اللہ کے درمیان ہے۔ تم عالم الغیب کیوں بنتے ہو؟ مت گمان کرو، معاملہ اللہ پر چھوڑو۔ آج ہمیں اپنی فکر تو ہوتی نہیں بس برائیوں کی ہوتی ہے کہ اس کے اندر کیا ہے؟ اس کے اندر کیا ہے؟ ہم عیب ٹٹولتے پھرتے ہیں اور لوگوں پر الزام لگاتے پھرتے ہیں۔ اس لیے فرمایا:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝١

"بڑی خرابی ہے اس شخص کی جو پیٹھ پیچھے دوسروں پر عیب لگانے والا (اور) منہ پر طعنے دینے کا عادی ہو۔"

''وَیْلٌ'' اللہ نے جہنم کے اندر ایک وادی بنائی ہے۔ اس بندے کو ویل کی وادی میں بھیجا جائے گا جو دوسروں کے عیب ٹٹولتا پھرتا ہے اور دوسروں پر الزام لگاتا ہے۔

۲-متعلقہ بندے سے وضاحت لے لیں

شریعت نے اس کا بہت خوب صورت طریقہ بتایا کہ اگر تمہارے دل میں کسی کے بارے میں بدگمانی آتی ہے تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ تم اسی بندے سے بات کرو کہ بھئی! آپ کے اس عمل سے میرے دل میں یہ خیال آرہا ہے، آپ ذرا اس کو واضح کر دیں۔ اگر چہ اس نے وہ غلطی نہیں کی، آپ کو غلطی محسوس ہوئی ہے تو وہ اس کو کھول دے گا اور اگر غلطی کی ہے تو اس کو تنبیہ ہو جائے گی، وہ رک جائے گا۔

Nip the evil in the bud.

''شروع میں ہی اس غلطی کو بند کر دو۔''

اب ہوتا کیا ہے؟ شروع میں جس سے غلطی ہوئی، اس سے تو بات کرتے نہیں اور باقی ساری دنیا میں بات پھیلا دیتے ہیں۔ جی! میں نے تو ایک کو بتایا تھا اس نے دوسرے کو بتایا، دوسرے نے Third (تیسرے) کو بتایا اور تھرڈ نے World (دنیا) کو بتایا۔ اب وہ بات Talk of the town (زبان زدِ عام) بنی ہوتی ہے۔ شریعت کہتی ہے: تم نے ایک کو کیوں بتایا؟ آسان طریقہ یہ ہے کہ اس بندے سے بات کریں کہ یہ ایک بات ہوئی ہے اور میرے دل میں یہ یہ باتیں آرہی ہیں، آپ اس بات کو clear کر دیں۔ آسان طریقہ ہے۔ نہ بدگمانی آئے گی نہ کسی کی ذلت ہوگی۔ اپنے مسلمان بھائی کو ذلت سے بچانا یہ نیکی کا ایک بڑا عمل ہے۔ ہر بندے کو حکمت تو آتی نہیں، معاملے کو ہینڈل تو کر نہیں سکتے اس لیے شیطان کے ہاتھوں پھر کھیلنے لگ جاتے ہیں۔

۳-معاملے کو اللہ پر چھوڑیں

بدگمانی سے بچنے کو تیسرا طریقہ یہ ہے کہ معاملے کو اللہ پر چھوڑ دیں، جس کا جو بھی معاملہ ہے اس کا ہے، ہمیں اس میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت ابن عمرؓ کے سامنے ایک بندہ لایا گیا جس کی داڑھی سے شراب کی بو آرہی تھی۔ فرمایا: اس کے معاملے کو اللہ پر

چھوڑ دو، تجسس نہ کرو۔

حد لگنے پر نبی ﷺ کی افسردگی

چناں چہ حدیث مبارکہ میں ایک واقعہ آیا ہے۔ ایک دفعہ ایک صاحب پر چوری کا الزام لگا اور چار گواہ بھی تھے۔ جب چار گواہ بھی پیش ہو گئے تو نبی ﷺ نے ان کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا، حد جاری فرمادی۔ جب حد جاری ہو گئی تو نبی ﷺ کا چہرہ Serious ہو گیا، جیسے اداس ہوتا ہے۔ چہرے سے پتہ چل جاتا ہے کہ خوشی ہے یا اداسی ہے۔ تو نبی ﷺ کے چہرے پر اداسی آ گئی۔ ایک صحابی نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ کے چہرے پر ہم اداسی دیکھ رہے ہیں۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: میرے چہرے پر اداسی کیوں نہ ہو، میرے سامنے میرے ایک امتی کا ہاتھ کاٹا گیا ہے۔ اللہ کے حبیب ﷺ! آپ ہی نے تو حکم دیا تھا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: جب کسی کے گناہ پر شرعی گواہ پیش ہو جائیں تو قاضی کے لیے حد جاری کرنے کے علاوہ کوئی صورت ہی نہیں ہوتی۔

لَا تَكُونُوا عَوْنَ الشَّيْطَانِ عَلَى أَخِيكُمْ. [1]

"تمہیں چاہیے تھا کہ تم اپنے بھائی کے معاملے میں شیطان کے معاون نہ بنتے۔"

کیوں گواہیاں دی تھیں؟ نہ دیتے، چپ رہتے، تمہارا بھائی سزا سے بچ جاتا۔ اب دیکھیں! ایک گناہ جو حدود میں ہے اور اس کے شرعی گواہ بھی موجود ہیں اور حد بھی لگ چکی ہے، مگر محبوب ﷺ کی تمنا یہ تھی کہ یہ لوگ گواہی نہ دیتے اور اس بندے کا ہاتھ نہ کٹتا اور اسے ذلت نہ ہوتی۔

تم اپنے بھائی کے معاملے میں شیطان کے دوست کیوں بنے؟ تم نے ایک مسلمان بھائی کو بے عزت کر کے شیطان کا کام آسان کر دیا۔ تو اگر کسی کا چھپا ہوا معاملہ ہے تو اسے چھپا رہنے دو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے۔ اللہ اگر توفیق دے گا تو وہ توبہ کر لے گا۔ نہیں توبہ کرے گا تو عذاب بھگتے گا۔ وہ جانے اور اس کا رب جانے۔ ہمیں معاملے کو ہاتھ میں لینے

---

[1] صحیح بخاری، رقم: ۶۷۸۱

کی کیا ضرورت ہے؟

تجسس نہ کرنے کا حکم

پہلے کسی کے بارے میں بدگمانی آتی ہے، اس سے اگلی بیماری کا نام ہے: ''تجسس'' کہ دل میں ٹوہ لگانے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔اس سے بھی روک دیا۔فرمایا:

وَلَا تَجَسَّسُوْا

''اور کسی کا بھید نہ ٹٹولو۔''

فائدہ (۴۶) کسی کی Privacy (ذاتی معاملے) کو نہیں کریدنا چاہیے

جب دل میں بدگمانی آ گئی تو پھر انسان دروازے کے پیچھے کھڑے ہو کر ان کی باتیں سنتا ہے۔پھر انسان ان کی Privacy (رازداری) کو کریدنے کی کوشش کرتا ہے۔عالم الغیب بننے کی کوشش کرتا ہے کہ مجھے اندر کی باتوں کا پتہ چلے۔پھر دوسرے کے میسیج پڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔حتیٰ کہ ساس میاں بیوی کی گفتگو سننے کی کوشش کرتی ہے۔گھر کی بہو، بھائی بہن کی گفتگو سننے کی کوشش کرتی ہے۔گھر کی بہو گھر کا فرد بھی ہوتی ہے اور گھر کی جاسوس بھی ہوتی ہے۔اللہ فرماتے ہیں:

وَلَا تَجَسَّسُوْا

''اور تم تجسس نہ کرو۔''

یہ تجسس حرام ہے۔تم لوگوں کو اپنی زندگی گزارنے دو۔ان کے اوپر اس طرح نگراں بن کر نہ بیٹھو۔بھابھی کیا کر رہی ہے؟ بھائی کیا کر رہا ہے؟ یہ کیا کر رہا ہے۔اور اس تجسس میں بندہ پھر دوسرے کے عیب ٹٹولنے میں لگ جاتا ہے۔شریعت نے ہر ایک کی Self Respect (عزت نفس) بنائی کہ بھئی! ہر ایک کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔تمہیں اجازت نہیں کہ تم کسی کی ٹوہ میں لگو۔تم کسی کے تفتیشی افسر مقرر نہیں ہوئے۔تم اپنے کام سے کام رکھو اور اپنی زندگی گزارو۔دوسرے کا جینا حرام نہ کرو تو تجسس کو بھی منع فرما دیا۔

ایک دفعہ حضرت عمر بن خطابؓ رات کے وقت مدینہ کی گلیوں میں گشت کر رہے

تھے۔ آپؓ نے ایک گھر سے کسی نوجوان مرد وعورت کے ہنسنے بولنے کی آوازیں سنیں۔ آپ کو اندازہ ہوا کہ یہ نامحرم ہیں اور اندر کچھ گناہ کا معاملہ ہو رہا ہے۔ حضرت عمرؓ تو پھر منکرات کے معاملے میں بڑے جرأت مند اور غیرت والے تھے فوراً اس گھر کی دیواریں پھلانگیں اور گھر میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ دونوں مرد وعورت اکٹھے بیٹھے ہیں اور شراب بھی پاس پڑی ہوئی ہے۔ آپ نے اس بندے کو للکارا اور فرمایا: او اللہ کے دشمن! تو کیا سمجھتا ہے، تیرا گناہ اللہ سے چھپ سکتا ہے؟ اس آدمی نے کہا کہ امیر المومنین! جلدی نہ کریں اگر میں نے اللہ تعالیٰ کی ایک نافرمانی کی ہے تو آپ نے تین نافرمانیاں کی ہیں۔

ایک تو آپ نے تجسس کیا، جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَجَسَّسُوْا "ٹوہ مت لگاؤ۔"

دوسرا آپ دیوار پھلانگ کر آئے جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا [1]

"یعنی گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ۔"

اور تیسری نافرمانی یہ کی کہ آپ بلا اجازت اندر داخل ہو گئے۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا [2]

"یعنی کسی کے گھر اجازت کے بغیر داخل نہ ہو اور ان کو سلام کرو۔"

حضرت عمرؓ اس کی بات سن کر ڈر گئے اور فرمایا کہ میرے ساتھ نیکی کرو اور مجھے معاف کر دو، میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ اس آدمی نے کہا کہ ہاں، میں نے آپ کو معاف کیا، آپؓ وہاں سے نکل آئے اور اس آدمی کو چھوڑ دیا۔

فائدہ (۴۷) غیبت حرام ہے

آگے فرمایا: "وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا" (اور تم میں سے بعض بعض کی غیبت

[1] البقرۃ: ۱۸۹ [2] النور: ۲۷

نہ کریں) جب تجسس دل میں آتا ہے پھر بندہ دوسروں کی باتیں بھی کرتا ہے اور اس کو کہتے ہیں غیبت۔ تو غیبت کی بنیاد بدگمانی سے ہوتی ہے۔ یہ بدگمانی تجسس پیدا کرتی ہے اور تیسرے درجے پر یہ غیبت کی عادت بن جاتی ہے۔ بس پھر ایک ہی بات ہوتی رہتی ہے۔ ساس بہو کی غیبتیں کرتی رہتی ہے، بہو ساس کی غیبتیں، نند کی غیبتیں بھابھی کرتی ہے اور بھابھی کی غیبتیں نند کرتی ہے۔ آپس میں پھر شروع ہو جاتے ہیں اور ایک Chapter (باب) ہی کھل جاتا ہے۔

غیبت زنا سے بھی بُری ہے

انگریزی میں اسے کہتے ہیں Backbiting یعنی اس کی کمر کے اوپر کاٹنا۔ بندہ موجود نہیں اور یہ اس کے بارے میں بیٹھا باتیں کر رہا ہے، یہ اس کی کمر پر کاٹنے کی طرح ہو گیا۔ شریعت نے اس کو اتنا برا کہا کہ فرمایا:

اَلْغِيْبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا. [1]

''غیبت تو زنا سے بھی زیادہ بری ہے۔''

اس نے تو کچھ کیا تھا یا نہیں کیا تھا، تم نے جو اس کی غیبت کر دی تو اس سے زیادہ بڑے گناہ گار بن گئے۔

غیبت کی معافی مشکل ہے

اور پھر جو اس میں زیادہ عجیب بات ہے کہ اب جس کی غیبت کی گئی جب تک وہ بندہ معاف نہیں کرے گا تو بندے کو معافی نہیں ملے گی۔ جتنے نفل مرضی پڑھ لے، جتنے استغفار مرضی کر لے، معافی نہیں ملے گی۔ یہ حقوق اللہ ہے اور حقوق العباد میں سے بھی ہے۔ بندے سے بھی معافی مانگنی پڑے گی۔ اور جس کی غیبت کی گئی وہ بندہ تو معاف نہیں کرے گا اور اگر اس نے دنیا میں معاف نہ کیا اور قیامت کے دن تو وہ نہیں چھوڑے گا۔ ساری زندگی کی نیکیاں اس بندے کو دے دی جائیں گی، تب بھی وہ راضی نہیں ہوگا، وہ کہے گا: جی! مجھے

---

[1] المعجم الاوسط للطبرانی، رقم: ۶۵۹۰

تو اتنی نیکیاں ملیں کہ میں جنت میں چلا جاؤں۔ اب بتائیں ایک مرتبہ غیبت کی اور ساری زندگی کی نیکیاں اس بندے کو دینی پڑ گئیں اور خود جہنم میں گیا۔ بلکہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ پھر اس بندے کے گناہ اس بندے کے سر پر ڈال دیے جائیں گے۔ اس لیے نبی ﷺ نے فرمایا: حسرت ہے اس بندے پر جو دنیا سے نیکیوں کے پہاڑ لے کر آیا، لیکن قیامت کے دن اس بندے کے سر پر گناہوں کا پہاڑ رکھ دیا جائے گا۔ صحابہؓ نے پوچھا: اے اللہ کے حبیب! گناہوں کا پہاڑ کیسے رکھ دیا جائے گا؟ فرمایا: نیک بندہ تھا، نیکیاں بہت کیں، مگر غیبت بھی کرتا تھا، اب اس بندے کے اوپر لوگوں کی غیبت کا گناہ تھا، اب غیبت والے آگئے اپنا حق لینے کے لیے، اللہ نے اس کی ساری نیکیاں ان کو دلوا دیں اور جو حق لینے والے تھے وہ ابھی بھی خوش نہ ہوئے، نہیں یا اللہ! ابھی تو ہمارا حق پورا نہیں ہوا، ہمیں تو اور نیکیاں چاہئیں۔ اب نیکیاں تو اور تھیں نہیں، اللہ فیصلہ فرمائیں گے، اچھا! جس کی غیبت کی گئی اس کے گناہ اس بندے کے سر کے اوپر ڈال دو۔ چناں چہ فرشتے اس کے گناہ لے کر اس کے سر پر کے اوپر ڈال دیں گے۔ یہ نیکیوں کے پہاڑ لے کر آیا تھا اور گناہوں کے پہاڑ لے کر قیامت کے دن میرے سامنے کھڑا ہوگا۔ [1]

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا حاسدین سے معاملہ

اس لیے امام اعظم ابوحنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں کسی کی غیبت نہیں کروں گا۔ کبھی کسی کے بارے میں بات نہیں کرتے تھے۔ لوگ ان کو تکلیف پہنچاتے تھے اور حضرت ان کے بارے میں زبان ہی نہیں کھولتے تھے، خاموش رہتے تھے۔ لوگ بڑے حیران ہوتے تھے کہ پتہ نہیں حضرت کا ظرف اتنا بڑا کیسے ہے؟ مگر مخالفین تھے، جہاں فضل و کمال ہوگا، وہاں مخالفین ہوں گے، حاسدین ہوں گے، سب سے زیادہ فضل و کمال اللہ کے حبیب ﷺ کو اللہ نے عطا فرمایا تھا اور سب سے زیادہ حاسد بھی اللہ کے محبوب ﷺ کے تھے، اس لیے اللہ کو قرآن کی آیت اتارنی پڑی:

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

[1] سنن الترمذی، رقم: ۲۴۱۸، باب ما جاء فی شان الحساب والقصاص

یہ آیت اللہ کے محبوب ﷺ کو تسلی دینے کے لیے اتری تھی تو حاسدین تو ہوتے ہی ہیں۔ ایک دفعہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہیں جا رہے تھے، راستے میں ان کو ایک حاسد مل گیا اور اس نے باتیں کرنی شروع کر دیں۔ آپ اپنی رائے کو شریعت کے اوپر مقدم کرتے ہیں، یہ کرتے ہیں، وہ کرتے ہیں، فلاں کرتے ہیں۔ بڑی سنانی شروع کر دیں۔ حضرت چپ کر کے سنتے رہے چلتے رہے، سنتے رہے چلتے رہے۔ جب اس کو کوئی جواب نہ دیا تو وہ اب اور شیر ہو گیا۔ لوگ دوسرے کی شرافت کو اس کی کمزوری سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بھی کوئی ایسا ہی کمبخت آدمی تھا، اس نے اور سنانی شروع کر دیں۔ سنتے سنتے آگے بستی آ گئی۔ اب جب بستی آ گئی تو امام صاحب کھڑے ہو گئے۔ اب یہ بڑا حیران! کہنے لگا: جی! آپ کھڑے کیوں ہیں؟ امام صاحبؒ نے کہا: اس بستی میں میرے بہت سارے شاگرد ہیں، جب میں بستی میں داخل ہوں گا تو تم میرے ساتھ جس لہجے میں باتیں کر رہے ہو، وہ شاگرد دیکھیں گے تو تجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے، اس لیے میں یہاں کھڑا ہو گیا ہوں، میاں! تم نے جو کہنا ہے کہہ لو۔ وہ اور آدھا گھنٹہ اپنی بکواس کرتا رہا، حضرت سنتے رہے، سنتے رہے۔ پھر کہنے لگا: اچھا اب میں بول بول کر تھک گیا ہوں، اب آپ جا سکتے ہیں۔ اب امام اعظمؒ نے فرمایا: اچھا! اب ذرا میری بات بھی سن لو۔ تم نے جو باتیں میرے بارے میں کی ہیں، میرے پاس اس کے بہت سے جوابات ہیں۔ اگر میں چاہتا تو تمہاری ایک ایک بات کے سو سو جوابات دیتا، میں نے جواب نہیں دیے۔ اگر میں چاہتا تو میں بستی میں چلا جاتا، میرے شاگرد تمہیں یہ بکواس کرتے ہوئے سنتے تو وہ تمہاری خوب دھلائی کرتے، تمہیں چھٹی کا دودھ یاد آ جاتا، لیکن میں نے ایسا بھی نہیں کیا اور اگر میں چاہوں تو تمہیں پتہ ہے بادشاہِ وقت میرے ساتھ بہت محبت کرتا ہے، میں اس کو شکایت کروں کہ اس بندے نے میری بے عزتی کی ہے تو میں کر سکتا ہوں۔ قاضی اور جج سے بھی شکایت کر سکتا ہوں اور تمہیں سزا دلوا سکتا ہوں لیکن میں وہ سزا بھی تمہیں نہیں دلواؤں گا اور اگر میں چاہوں تو میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے اپنے حق کا مطالبہ کروں گا کہ اس بندے نے میری دل آزاری کی تھی اور اللہ تعالیٰ مجھے تم سے حق دلوائیں گے مگر میں وعدہ کرتا ہوں، میں قیامت کے دن بھی

تم سے اپنے حق کا مطالبہ نہیں کروں گا۔ اب جب اس بندے نے سنا کہ ان کے دل میں میرے لیے اتنی خیر خواہی ہے اور میں ان کے ساتھ اتنی بد خواہی کا معاملہ کر رہا ہوں۔ اس کو احساسِ جرم ہوا، اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، چہرے پر شرمندگی آ گئی۔ اچھا! میں آپ کے ساتھ اتنا برا کر رہا تھا اور آپ مجھے قیامت کے دن بھی نہیں پکڑیں گے؟ حضرتؒ نے فرمایا: ہاں! اور میں تجھے ایک بات اور بتا دوں کہ اگر قیامت کے دن اللہ رب العزت نے میرے اوپر فضل فرمایا اور مجھے جنت جانے کا حکم فرمایا تو میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں ساتھ لیے بغیر میں جنت میں نہیں جاؤں گا۔ اس بندے نے آپ کے پاؤں پکڑ لیے اور اس مخالفت سے ہمیشہ کے لیے توبہ کر لی۔

ایک عبرت ناک واقعہ

امام مالکؒ کے زمانے میں مدینہ میں ایک عورت فوت ہوئی، اس کو غسل دینے کے لیے دوسری عورت آئی۔ اب ایک عورت پانی ڈال رہی تھی اور دوسری عورت جسم کو صابن سے جیسے مل مل کر دھوتے ہیں دھو رہی تھی۔ باتیں کرتے کرتے غسل دینے والی عورت کا ہاتھ اس مردہ عورت کی ران کے ساتھ چپک گیا، کھینچتے ہیں تو الگ نہیں ہوتا، دوسری عورت بھی پریشان ہو گئی۔ اب غسل دینے والیوں کو تو دو گھنٹے گزر گئے۔ باہر سے مردوں نے شور مچایا کہ بھئی! غسل کیوں نہیں ختم ہو رہا؟ میت کو تیار کرو، ہم جنازہ پڑھائیں، قبرستان لے جائیں۔ پھر بات سامنے آئی کہ جی غسل دینے والی کا ہاتھ اس کے جسم سے چپک گیا ہے اور اب وہ ہٹتا ہی نہیں، بہت زور لگا کر دیکھ لیا ہے۔ لوگوں نے کہا جی! ٹھیک ہے پھر ایسے کرو میت کی ران کا کچھ گوشت کاٹ دو! ہاتھ الگ ہو جائے گا اور پھر میت کو دفنا دیں گے۔ میت والے کہنے لگے: کون ہے جو ہماری میت کا گوشت کاٹے؟ ہم تو یہ بے حرمتی نہیں ہونے دیں گے۔ تم نے کاٹنا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹو۔ اب جو غسل دینے والی عورت کے رشتے دار تھے وہ آ گئے، کون ہے ہماری عورت کا ہاتھ کاٹنے والا؟ ہم تو نہیں کاٹنے دیں گے۔ اب یہ عورتوں کی بات تھی اور مردوں میں آ گئی اور آپس میں خون بہنے کا بہت زیادہ ڈر ہو گیا۔ تو لوگ پریشان ہو گئے کہ اس معاملے میں کیا کریں؟

کسی نے امام مالک کو بتایا تو حضرت اس جگہ تشریف لائے کہ بھئی! کیوں مسلمانوں کے درمیان خون ریزی ہو رہی ہے؟ حضرتؒ کو مسئلہ بتایا گیا۔ حضرت نے فرمایا: مجھے موقع دیا جائے کہ میں ان عورتوں سے پردے میں خود گفتگو کروں اور پوچھوں کہ یہ معاملہ ہوا کیسے ہے؟ چناں چہ امام مالکؒ نے ان سے پوچھا کہ یہ واقعہ پیش کس وقت آیا؟ تو جو پانی ڈالنے والی عورت تھی، اس نے کہ جی! ہم اس کو نہلا رہی تھیں اور آپس میں بات کر رہی تھیں اور بات کرتے کرتے نہلانے والی عورت نے اس کے خوب صورت جسم کو دیکھا اور ساتھ کہہ دیا کہ اس عورت کے تو فلاں مرد کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے۔ یہ فقرہ بولنا تھا کہ اس کا ہاتھ چپک گیا اور اب یہ ہاتھ الگ نہیں ہوتا۔ تو امام مالکؒ نے اس غسل دینے والی عورت سے کہا کہ بتاؤ تم نے یہ کلمہ کہا؟ اس نے کہا: ہاں! میں نے یہ بات کی تھی۔ انہوں نے کہا: تمہارے پاس اس کا کوئی گواہ موجود ہے؟ اس نے کہا: میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ بھئی! تم اپنی آنکھوں سے کیا دیکھا تھا؟ آگے بھی بتاؤ۔ اس نے کہا: جی! میں نے دیکھا تھا کہ یہ عورت گزر رہی تھی اور وہ مرد اس کو دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ لگتا تھا کہ وہ مرد اس کے اوپر عاشق اور اس پر فدا ہے، تو میں نے سمجھ لیا کہ یہ عورت اس کے ساتھ ملوث ہے، لہٰذا میں نے کہہ دیا کہ اس کے اس کے ساتھ تعلقات تھے۔ امام صاحب نے فرمایا: اب چوں کہ تم نے تہمت لگائی، تمہیں حد لگانی پڑے گی اور وہ اسی کوڑے ہوتے ہیں۔ چناں چہ جلاد کو بلایا گیا اور غسل دینے والی عورت کو کوڑے لگائے گئے۔ ستر کوڑے لگے، ہاتھ چپکا ہوا تھا، پچھتر کوڑے لگے، ہاتھ چپکا ہوا تھا۔ امام مالکؒ کھڑے تھے۔ جب اسی کوڑے پورے ہوئے تب اس کا ہاتھ چھوٹا اور اس عورت کو پھر کمرے سے باہر لے جایا گیا۔

ہماری نظر میں یہ چھوٹی باتیں ہوتی ہیں، اللہ کے ہاں یہ بڑی باتیں ہیں۔ کسی پر بہتان لگا دینا کوئی چھوٹی سی بات نہیں ہے، بلکہ اس پر تو شریعت کی طرف سے حدود متعین ہیں، کوڑے لگتے ہیں۔ بہت بڑی بات ہے۔ تو اس لیے زبان کی لگام نہیں کھولنی چاہیے، اس کو لگام دینی چاہیے۔ بات کرنے سے پہلے بندہ تولے، پھر بولے۔ سوچے اور پھر بات کرے۔ سنی سنائی باتیں کر دینا، اندازے لگا کر باتیں کر دینا، بدگمانی میں باتیں کر دینا، یہ

غیبت ہے اور اللہ کے نزدیک یہ بہت ناپسندیدہ ہے۔

غیبت کی بدبو

حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مدینہ شریف میں بہت بدبودار ہوا چلی۔ اتنی بدبو تھی کہ سب لوگ پریشان ہوئے کہ یہ ایسی ناگوار بدبو کہاں سے آ رہی ہے؟ حضور نبی ﷺ نے فرمایا:

أَتَدْرُونَ مَا هٰذِهِ الرِّيحُ؟ [1]

"کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیسی بدبو ہے۔"

یہ ان لوگوں کی ہوا ہے جو دوسروں کی غیبت کرتے ہیں، کیوں کہ نیکی میں خوشبو ہوتی ہے اور گناہ میں بدبو ہوتی ہے۔

غیبت کرنا مردار بھائی کا گوشت کھانا ہے

آگے فرمایا:

أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ

"کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو خود تم کراہت کرتے ہو۔"

شریعت نے غیبت سے منع کیا اور فرمایا کہ غیبت کرنے والا ایسے ہوتا ہے جیسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھا رہا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسیؓ نے دو بندوں کی نبی ﷺ کے سامنے سفارش کی، وہ ان کے دوست تھے، ان کے خیمے میں رہتے تھے۔ عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! انہوں نے روزہ رکھا ہے اور ان کو روزہ بہت لگا ہے اور بھوک سے ان کی حالت بری ہوگئی ہے۔ اب آپ کے پاس میں لایا ہوں کہ آپ ان کا علاج بتائیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ان کو کہو کہ کلی کریں۔ اب جب دونوں بندوں نے کلی کی تو ان کے دانتوں سے گوشت کے ٹکڑے نکلے۔ جیسے کچھ کھاتے ہیں تو چھوٹے چھوٹے ٹکڑے منہ میں رہ جاتے ہیں تو جب

---

[1] مسند احمد بن حنبل: ۱۴۷۸۴

گوشت کے ٹکڑے نکلے تو وہ حیران ہوئے کہ ہم نے تو گوشت نہیں کھایا، یہ گوشت کے ٹکڑے کیسے نکلے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: سلمان! اصل میں ان دونوں نے بیٹھ کر تمہاری غیبت کی تھی اور غیبت کو اللہ نے قرآن مجید میں فرمایا: ''یہ ایسے ہی ہے جیسے تم اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھا رہے ہو'' اور یہ چیز مجسم ہو کر تیرے سامنے آگئی، وہ گوشت ان کے منہ سے باہر نکلا ہے۔

وہ غیبت کیا تھی؟ ذرا اس کی بھی حقیقت سن لیجیے۔ سلمان فارسیؓ ایک صوفی قسم کے صحابی تھے۔ انہوں نے نبی ﷺ سے ذکر و سلوک بہت سیکھا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ ان کو عشاء کے بعد اپنے گھر بلا لیا کرتے تھے اور ان کے ساتھ اللہ کی معرفت کے بارے میں گفتگو فرمایا کرتے تھے اور اتنی دیر لگ جایا کرتی تھی کہ امہات المومنین ان کے بارے میں اپنے دل کے اندر عجیب محسوس کرتی تھیں کہ یہ کون آگیا کہ اتنی دیر یہ بیٹھا رہا، ہماری حصے کی رات کا وقت کم ہو گیا۔ جیلسی تو ہوتی ہے بندے کو۔ تو ان کو محسوس ہوتا تھا کہ یہ کون آگیا جو اتنا ٹائم لے جاتا ہے۔ یعنی اگر ہم اپنی زبان میں سمجھنے کے لیے محسوس کریں تو یوں ہوگا کہ امہات المومنین یہ محسوس کرتی تھیں کہ پتہ نہیں یہ نبی ﷺ کو کہاں سے سہیلی مل گئی ہے؟ عشاء کے بعد یہ بندہ آجاتا ہے، باتیں کرتا رہتا ہے اور ہمارے حصے کا ٹائم بھی یہ لے جاتا ہے۔ سلمان فارسیؓ نبی ﷺ سے اللہ کی معرفت کی گفتگو کیا کرتے تھے۔ اب چوں کہ ان کے اوپر ذکر کی کیفیت طاری رہتی تھی تو یہ مراقبہ میں بیٹھے رہتے تھے اور عام لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ سوئے ہوئے ہیں۔ کبھی لیٹے ہوئے سوئے ہوتے تھے، کبھی بیٹھے ہوئے سوئے ہوتے تھے۔ بس سوئے ہوتے تھے۔ وہ سوئے ہوئے نہیں ہوتے تھے، وہ ذکر کر رہے ہوتے تھے۔

اب ہوا کیا کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ خیمہ لے کر جانا تھا تو خیمے کے سب لوگوں نے کچھ نہ کچھ اٹھانا تھا اور اگلی جگہ جا کر لگانا تھا۔ باقی سب نے تو اٹھا لیا اور سلمان فارسیؓ اسی طرح آنکھیں بند کر کے لیٹے ہوئے تھے۔ ساتھیوں نے کہا: چلو! یہ سوئے ہوئے ہیں ان کا سامان بھی ہم اٹھا لیتے ہیں۔ انہوں نے اٹھا لیا اور آگے جا کر جب انہوں نے خیمہ لگایا تو خیمہ لگانے میں بھی سلمان فارسیؓ ساتھ نہیں تھے، وہ پھر اسی طرح اپنی کیفیت میں سوئے

ہوئے تھے۔ تو جب خیمہ والوں نے خیمہ لگا لیا تو انہوں نے آپس میں بیٹھ کر بات کی یہ سلمان بھی عجیب ہے ہر وقت سویا پڑا رہتا ہے اور اس کو نہ کام کرنے کا شوق ہے، نہ دوسروں کی تکلیف کا احساس ہے۔ اب یہ بات جو تھی نا! یہ غیبت کی بات تھی اور غیبت کی بات پر ان کے منہ کے اندر وہ گوشت کے لوتھڑے بن گئے تھے۔

ہم اس کو کوئی بات ہی نہ سمجھتے کہ جی! ہم نے تو حالاتِ حاضرہ میں بات کی تھی۔ انہوں نے یہ کہا تھا کہ یہ سلمان تو ہر وقت سویا ہی رہتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اس کے حصے کا کام بھی دوسرا بندہ کر دے اور ہمیں اس کا کام کرنا پڑ جاتا ہے۔ یہ بات غیبت تھی اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ نے کھولی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی وجہ سے ان کو بھوک لگی اور انہوں نے تو اپنے مردہ بھائی کا گویا گوشت کھایا ہوا تھا۔ اللہ کی نظر میں غیبت اتنا بڑا جرم ہے۔!!

فائدہ (۴۸) امتناعِ غیبت سے ہر مومن کی حرمت کا تحفظ کیا گیا

اصل میں اللہ تعالیٰ نے ہر ایمان والے کی ایک حرمت قائم فرما دی ہے، ایک عزت قائم فرما دی ہے۔ اب دوسرا بندہ اس کی عزت کو چیر نہیں سکتا، اس کے بارے میں کوئی بات کر نہیں سکتا، اللہ نے زبانوں کو بند کروا دیا۔ اللہ فرماتے ہیں اگر تم کوئی بات کرنا چاہتے ہو تو تمہارے پاس چار شرعی گواہ ہونے چاہئیں پھر تم بات کر سکتے ہو، ورنہ اس کے معاملے کو اس کے اور اللہ کے درمیان چھوڑ دو۔ تم گھروں میں بہت چیزیں دیکھو گے، مگر ایسی چیزوں کو دیکھ کر معاملہ اللہ پر چھوڑ دو۔ یہ اللہ کا معاملہ ہے، اللہ جانے اور اس کا بندہ جانے۔ اللہ چاہے گا تو توبہ کی توفیق دے دے گا، اللہ چاہے گا تو اس کو کسی نہ کسی سزا میں گرفتار کر لے گا۔ تم کیوں خدا بنتے ہو؟ تم اس کے معاملے کو اللہ پر چھوڑ دو۔ ہمارے بزرگوں نے کہا: ”اپنی پوئی تے پرائی بھل وجی“۔ (بندے کو اپنی پڑ جائے اور پرائی بھول جائے) آج سچی بات ہے، چوں کہ ہمیں اپنی تو پڑی نہیں ہوتی، ہمیں یہ تو احساس نہیں ہوتا کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ ہماری آنکھیں کھلی رہتی ہیں، دوسروں کے چہرے کو دیکھتی رہتی ہیں۔ ہم دوسروں کے عیب سننے کے لیے کان بڑے بڑے ہاتھی جیسے بنا لیتے اور اور دوسروں کی باتیں سنتے رہتے ہیں، اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں۔

فائدہ (۴۹) غیبت کا معاملہ احتیاط کا متقاضی ہے

آگے فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ⑫

”اللہ سے ڈرتے رہنا، بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کو قبول کرنے والا ہے اور رحم فرمانے والا ہے۔“

غیبت ایسا معاملہ ہے کہ جب تک انسان اس معاملے میں اللہ سے ڈرنے والا اور احتیاط کرنے والا نہ ہو، وہ بچ نہیں سکتا۔ اس لیے یہاں ”وَاتَّقُوا اللّٰهَ“ کا لفظ آیا۔ دل میں تقویٰ ہوگا تو بات کرنے میں محتاط رہے گا۔ اس لیے ہمیشہ زبان کو بند رکھنا چاہیے اور comments (تبصرے) کھڑکا نہیں دینے چاہئیں۔ غیبت سے بچنے پر بہت محنت کرنی چاہیے، بلکہ علماء کے پاس بیٹھ کر اس کی تفصیلات سیکھنی چاہئیں۔

غیبت سے کیسے بچیں؟

ایک صاحب کہنے لگے: ہم چھوٹے ہیں، ہمارے پاس اگر بڑے غیبت کر رہے ہیں تو کسی کو روک نہیں سکتے تو ہم غیبت سننے والوں میں آجاتے ہیں۔ دیکھیں! شریعت کہتی ہے کہ ٹھیک ہے آپ بہو ہیں، ساس کو غیبت کرنے سے نہیں روک سکتیں، مگر آپ اپنی رائے کا اظہار تو کر سکتی ہیں؟ کہہ دیں: امی! آپ کیا ہر وقت یہ ٹاپک لے کر بیٹھی رہتی ہیں، چھوڑیں ان باتوں کو۔ اب اس فقرے کے کہنے سے گویا بہو نے اپنی ساس کو Indicate (ظاہر) کر دیا کہ مجھے آپ کی باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اتنا تو بندہ کہہ ہی سکتا ہے، ہر بیٹی ماں کو کہہ دیتی ہے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جس کی غیبت ہو رہی ہے، اس کے حق میں آپ بات نہیں کر سکتیں، تو اس کی کوئی اچھائی بیان کر دیں۔ مثلاً ساس کسی کی خالہ کے بارے میں بات کر رہی تھی تو آپ کہیں: امی! وہ ہے تو بڑی نمازی، یا وہ پردہ تو بہت اچھا کرتی ہے، یا بڑی ہنس مکھ ہے، بڑے اچھے طریقے سے ملتی ہے۔ اس بندے میں کوئی نہ کوئی تو خوبی ہوگی۔ اس خوبی کو آپ اس مجلس میں بیان کر دیں تو بھی آپ غیبت سننے والوں میں شامل نہیں ہوں گے۔ آپ نے ان کے ساتھ اتفاق نہیں کیا، آپ نے ان کے ساتھ اختلاف کیا ہے۔ تو اس طرح غیبت سے کیسے بچنا ہے؟ ان مسائل کو بیٹھ کر سیکھیں، تاکہ ہم آئندہ اس

گناہ سے بچ سکیں۔

یہ اتنا بڑا گناہ ہم سے ہو چکا ہے کہ جو غیبتیں ہوئی ہیں یا ہم نے کی ہیں شاید باقی زندگی کی مکافات بھی نہ کر پائیں۔ چوں کہ جس کی غیبت کی، ہمیں اسے راضی کرنا ہوگا، پتہ نہیں وہ کب راضی ہوگا۔ سال کی نیکیاں، دو سال کی نیکیاں یا ساری زندگی کی نیکیاں لے کر بھی وہ راضی نہ ہوا تو وہ کہے گا کہ جی میرے سر کا بوجھ اس کے سر پر ڈالیں، تو اس کے گناہوں کا بوجھ ہمارے سر پر آجائے گا۔ تو ہم کیوں کسی کی غیبت کریں؟ اس لیے ہمارے اکابر بالکل کسی کے بارے میں اس طرح کی بات نہیں کرتے تھے۔

سب سے زیادہ جو غیبت آج کل ہوتی ہے وہ سیاست دانوں کی ہوتی ہے، جس کو دیکھو ہی اٹھ کر بات کر رہا ہوتا ہے، کبھی فلاں کے بارے میں، کبھی فلاں کے بارے میں اور پتہ نہیں کتنی ہی غیبتیں کر کر کے ہم اپنی نیکیاں ایک دن میں ضائع کر دیتے ہیں۔ تو بھئی! اس کا حل کیا ہے؟ اب ایک بندہ جمعیت کا worker (کارکن) ہے تو وہ ہے ہی اسی لائن میں، اسی مشن پر۔ اب وہ آکر سوال پوچھتا ہے کہ حضرت! بتائیں ہم نے تو بات کرنی ہوتی ہے، لوگوں کو کچھ حقائق بتانے ہوتے ہیں، ہم بات نہ کریں تو کیا کریں؟ بھئی! اس کے لیے کوڈ بنا لو نا! نام لے کر بات کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اب دو بھائیوں کی بات کرنی ہے تو ایک بڑے صاحب، ایک چھوٹے صاحب یا بڑے میاں اور چھوٹے میاں۔ کریں جو باتیں کرنی ہیں، نام کیوں لیتے ہیں؟ بڑے میاں کہہ کر جو بات کرنی ہے کر دیں، سمجھنے والا سمجھ جائے گا اور چھوٹے میاں کہہ کر چھوٹے کی بات کر لیں سمجھ جائیں گے۔ جی کپتان کے بارے میں کیا کریں؟ میں نے کہا خان کا لفظ استعمال کر لو۔ خان کا لفظ تو لاکھوں پر استعمال ہو سکتا ہے، جب کہیں گے خان نے یہ کہا تو آپ تو سمجھ رہے ہوں گے کہ سیاست کا خان کون ہے؟ لیکن نام نہ ہونے کی وجہ سے غیبت نہیں ہوگی۔ یہ Intelegence والے ہمیں بہت ذلیل کرتے ہیں۔ ان کا نام لینے کی کیا ضرورت ہے؟ یوں بات کر لیا کرو کہ عقل والے ہمیں بہت تنگ کرتے ہیں تو کوڈ بناؤ اور جو بھی بات کرنی ہے کرو، انسان بات بھی کرے تو اس طرح کرے کہ نام کے ساتھ گفتگو نہ ہو اور بندے پر غیبت کا جرم صادر نہ ہو۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سورۂ یوسف میں زلیخا کا تذکرہ کیا تو اس کا نام نہیں لیا، حالاں کہ اس موقع پر دولفظوں میں بات سمٹ سکتی تھی کہ زلیخا نے یوسفؑ کو یہ کہا۔ اللہ تعالیٰ نے کلام کو لمبا کرنا پسند کرلیا، زیادہ لفظ استعمال کرلیے، مگر نام نہیں لیا۔

وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ (یوسف:۲۳)

''پھسلایا اس کو اس عورت نے جس کے گھر میں تھا اپنا جی تھامنے سے اور بند کردیے دروازے۔''

اتنے لفظ اللہ تعالیٰ نے استعمال کرلیے، مگر بات اشارے میں کی، نام لے کر نہیں کی، ہمیں بھی اس خلق کو اپنانا چاہیے کہ جب بات کرنی ہو تو اشارے میں کریں، نام لے کر نہ کریں۔ نام لے کر بات کریں گے تو یہ غیبت بنے گی اور یہ بڑا جرم ہوگا اور اس غیبت کی وجہ سے قیامت کے دن بہت سارے لوگ جہنم میں جائیں گے۔

اب آپ ذرا بیٹھ کر سوچیں کہ ہم نے کتنے گناہ کیے۔ میرا خیال ہے کہ دن کا کوئی گھنٹہ ایسا نہیں ہوگا جو ہمارا کسی غیبت کے بغیر گزرا ہو اور ویسے ہم سمجھتے ہیں کہ جی! ہم تو بڑے نیک ہیں، ہم نے تو کبھی گناہ کیا ہی نہیں، اور گناہ ایسے ہیں کہ جو بولیں گناہ ہوا، جب بولیں گناہ ہوا۔ جھوٹ نکلا یا غیبت نکلی۔ ہماری تو زندگی ہی گناہوں سے اَٹی پڑی ہے، اس لیے گناہوں سے بہت زیادہ توبہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہمارے گھروں سے غیبت کا گناہ ختم ہوجائے تو گھروں سے نفرتیں ختم ہوجائیں، گھروں میں محبت اور پیار آجائے۔

خلاصۂ آیات

ان آیات میں اہل ایمان کے درمیان محبت واخوت کا مثالی تعلق قائم رکھنے کا حکم دیا گیا اور معاشرے میں نفرتیں بڑھانے والے دو بنیادی گناہوں کی نشاندہی کی گئی۔

تمسخر سے ایک باب چلا تھا جو بالآخر الزامات کے اوپر آکر رکا تھا، پھر دلوں میں نفرتوں کا سبب بنا تھا۔ دوسرا باب بدگمانی سے چلا اور بدگمانی سے چلتے چلتے یہ غیبت تک پہنچا اور پھر غیبت نفرتوں کا باعث بنی۔ یہ دو چیزیں چوں کہ بنیادی طور پر نفرتوں کا باعث بنتی ہیں۔ تو پہلی بنیاد ہے: مذاق کی عادت، اس ضمن میں ایک آیت میں تین لفظ اہم ہیں:

لَا يَسْخَرْ (مذاق نہ کرو۔)

وَلَا تَلْمِزُوْٓا (الزام تراشی نہ کرو۔)

وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (برے نام نہ دو۔)

اور دوسری بنیاد ہے بدگمانی، اس ضمن میں بھی تین لفظ اہم ہیں:

اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ (زیادہ گمان سے بچو۔)

وَلَا تَجَسَّسُوْا (تجسس نہ کرو۔)

وَلَا يَغْتَبْ (غیبت نہ کرو)

بدگمانی کے بعد بدزبانی آتی ہے اور بندہ غیبت کا مرتکب ہوتا ہے اور دلوں میں نفرتیں آجاتی ہیں۔ اگر ہم بدگمانی اور تمسخر کی دو بیماریوں پر کنٹرول کرلیں تو ہم غیبت سے بھی بچ جائیں گے اور دشمنیوں سے بھی بچ جائیں گے۔ ہمارے گھر جنت کا نمونہ بن جائیں گے۔ ہم محبت کے ساتھ ایک دوسرے سے زندگی گزارنے والے بن جائیں گے۔

قرآن مجید کا حسن دیکھیے! جس نے معاشرے کے بڑے بڑے مسائل کو دو فقروں میں سمیٹ کے رکھ دیا۔ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا عقلمند حاکم یا کوئی بڑے سے بڑا سمجھدار بندہ بھی اتنے مختصر الفاظ میں اپنی بات کو نہیں سمیٹ سکتا۔ یہ اللہ کے کلام کا اعجاز ہے۔ اللہ نے تین لفظوں میں پہلے بات سمجھائی کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں، ایک دوسرے کا اکرام کرنا، اور دو فقروں میں بات سمجھادی کہ تم غیبت نہ کرنا، تجسس نہ کرنا، تم آپس میں بدگمانی نہ کرنا۔

اس بدگمانی کی وجہ سے دل میں نفرتیں آتی ہیں، گناہ زیادہ ہوجاتے ہیں اور معاشرہ ایسا بن جاتا ہے کہ کئی مرتبہ گھر جہنم کا نمونہ بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں گناہوں سے توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری اصلاح فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

مقامِ انسانیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

ہم نے اٹھارہ آیات کی تقسیم پڑھ لی تھی کہ پہلی پانچ آیات آدابِ رسالت کے بارے میں ہیں، پھر اگلی چار آیات مقامِ صحابہ کو کھولتی ہیں پھر اس کے بعد تین آیات اکرام المسلمین کے بارے میں ہیں، پھر اس کے بعد ایک آیت مقامِ انسانیت کو کھولتی ہے۔ آج ہم نے جو آیت پڑھنی ہے وہ ایک ہی آیت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قومیں جو بنائی ہیں تا کہ تمہیں آپس میں پہچان ہو۔ بیشک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔''

اللہ کا خطاب پوری انسانیت کے نام

اب یہاں ''یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ '' فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سارے انسانوں کو مخاطب کررہے ہیں: گورے، کالے، عربی، عجمی، مشرق کے ہوں، مغرب کے ہوں، شمال کے ہوں یا جنوب کے ہوں، مسلمان ہوں یا کافر، سب انسان ہیں۔ انسان ہونے کے ناطے بندوں کا اللہ سے جو تعلق ہے اس نسبت سے اللہ تعالیٰ انسانوں کو خطاب کررہے ہیں۔

اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى ....

''اے انسانو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری ذاتیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کی شناخت ہوسکے۔''

فائدہ (۵۰) تمام انسان برابر ہیں

اس آیت میں انسانیت کو مساوات کا پیغام دیا جارہا ہے۔ یعنی تمہارا باپ بھی ایک ہے اور تمہاری ماں بھی ایک ہے، تم ایک ماں باپ کی اولاد ہو۔ یہ دینِ اسلام کی خوبصورتی ہے کہ چودہ سو سال پہلے جب علم نہیں تھا، دنیا جانتی نہیں تھی کہ علم کیا ہوتا ہے۔ اس وقت انسانوں کو بتایا کہ دیکھو! سب انسان ایک درجے پر ہیں کہ سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔

وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ

البتہ جو تم میں خاندان اور قبائل بنائے گئے ہیں فقط تعارف کے لیے بنائے گئے ہیں، تاکہ تمہاری پہچان ہوسکے۔ یہ کسی فضیلت یا مرتبے اور مقام کی بنیاد پر نہیں ہیں۔ اصلاً تو سب انسان برابر کے درجے پر ہیں۔

آج کی سائنس کہتی ہے کہ ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ عصبیت ختم کرو، رنگ و نسل کا تفاوت ختم کرو۔ نہیں! چودہ سو سال پہلے ہمیں یہ تعلیم دی گئی کہ تم انسان ہو اور انسان ہونے کے ناطے سب ایک ہو۔ کسی ایک کو دوسرے کے اوپر فضیلت نہیں۔

فائدہ (۵۱) فضیلت کا معیار تقویٰ ہے

ہاں! اللہ کے ہاں فضیلت کا معیار رنگ و نسل نہیں ہے، اللہ کے ہاں اگر فضیلت کا

معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔ فرمایا:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

کیا خوب صورت نتیجہ نکالا ہے اس آیت میں! اور یہی بات نبی ﷺ نے بھی ارشاد فرمائی۔ فرمایا:

أَلَا! لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَ لَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ.

''کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل نہیں۔''

وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَ لَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ.

''اور کسی سرخ کو کالے پر اور کالے کو سرخ پر فضیلت حاصل نہیں۔''

إِلَّا بِالتَّقْوٰى. [1]

''ہاں! اگر کوئی فضیلت حاصل ہے تو تقویٰ کی وجہ سے ہے۔''

فائدہ (۵۲) شریعت احترامِ انسانیت کی تعلیم دیتی ہے

یہ آیت احترامِ انسانیت کے بارے میں بھی ہے کہ ہمارے اندر ہر انسان کا احترام ہونا چاہیے۔ احترام سے کیا مراد؟ کہ اس کو حقارت سے نہ دیکھیں۔ وہ مسلمان ہے تو محبت کے قابل ہے، وہ مسلمان نہیں تو بھی ایک حد تک اس کا احترام ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ ہم سمجھیں کہ یہ تو خنزیر کتا جا رہا ہے۔ ایسی بات بھی نہیں ہے۔ شریعت نے ہمیں احترامِ انسایت کی تعلیم دی ہے۔ آپ دیکھیں! جب آپ کسی بندے سے ملتے ہیں، کوئی بھی بندہ ہو تو آپ اس کو ملتے ہوئے چہرے کے Expression سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ مثلاً: اگر دوست ہوتا ہے تو مسکراتے ہوئے ملتے ہیں، اگر کوئی دشمن ہوتا ہے تو غصے میں ملتے ہیں۔ شریعت نے ہمیں کہا:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ [2]

''لوگوں سے بات کرتے ہوئے چہرے پر تیوری مت چڑھاؤ۔''

---

[1] مسند احمد، رقم: ۲۳۴۸۹ [2] لقمان: ۱۸

مسکراتے چہرے سے بات کرو۔ اس میں ''مُسْلِمِیْنَ'' نہیں، ''لِلنَّاسِ'' کا لفظ ہے۔ ''لِلنَّاسِ'' کا کیا مطلب؟ کہ انسانوں سے جب بات کرو۔ مسلمان اور کافر سب اس میں شامل ہیں کہ جب تم کسی سے ملو تو تم مسکراتے چہرے سے ملو، کھلے ہوئے چہرے سے ملو، تمہارے چہرے پر خوشی ہو، محبت ہو، الفت ہو کہ تم ایک انسان کو مل رہے ہو۔ چلو جی! ہم نے ذرا منہ پر خوشی سجالی کہ ہم ایک بندے سے مل رہے ہیں۔ شریعت کہتی ہے:

قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرۃ: ۸۳)

''اب تم نے جو بات بھی کرنی ہے تو لوگوں سے اچھے طریقے سے کرنا۔''

تمہارے الفاظ کا چناؤ بھی ایسا ہو کہ وہ بندہ تمہارے الفاظ سن کر قریب ہو جائے۔ محبت کرنے والا بن جائے، نفرت والے انداز سے بات نہیں کرنی۔ کافر بھی ہے تو بھی اس سے اچھے طریقے سے سلام کرو، چہرے کا Expression بھی اچھا ہو، اور الفاظ بھی اچھے ہوں۔ اب آپ بتائیں اس سے دوسرا بندہ قریب ہوگا یا دور ہوگا؟ قریب ہوگا۔ اور ہو سکتا ہے وہ اسلام ہی قبول کر لے۔ اور اگر برے الفاظ میں اور برے انداز میں بات کریں گے تو وہ آپ سے بھی دور ہوگا اور اسلام سے بھی دور ہو جائے گا۔ تو شریعت ہمیں کتنی خوبصورت تعلیم دیتی ہے کہ انسان کا بھی احترام دل میں ہونا چاہیے۔

نبی ﷺ کے احترامِ انسانیت کی مثالیں

نبی ﷺ انسانیت کے سب سے زیادہ خیر خواہ اور سب سے زیادہ احترام کرنے والے تھے۔

۱- ایک دفعہ ایک یہودی کا جنازہ آرہا تھا تو نبی ﷺ اس کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ ایک صحابی نے کہا: اے اللہ کے حبیب ﷺ! یہ تو یہودی ہے۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: اگرچہ یہودی ہے مگر انسان تو ہے۔ میں تو انسانیت کے احترام کی وجہ سے کھڑا ہو گیا کہ انسان کا جنازہ آرہا ہے۔ تو نبی ﷺ نے ہمیں احترامِ انسانیت بھی سکھایا۔ [1]

۲- ایک دفعہ کفارِ مکہ پر قحط آگیا۔ ایسا کہ وہ لوگ بھوک کی شدت سے چمڑا کھانے پر

[1] صحیح البخاری، ۱۳۱۱، باب من قام لجنازۃ یہودی

مجبور ہو گئے۔ اب عام طور پر تو ہوتا ہے کہ جب دشمن کا حال خراب ہو تو لوگ خوش ہوتے ہیں، لیکن نبی ﷺ کا معاملہ کچھ اور تھا۔ ابوسفیانؓ نبی ﷺ کے پاس آئے اور استدعا کی کہ آپ کی قوم ہلاک ہونے کے قریب آ گئی ہے، آپ اللہ سے ان کے لیے دعا کر دیں، ان کی مصیبت ٹل جائے۔ چناں چہ نبی ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمادی تو اس دعا کی برکت سے اللہ نے مکہ والوں کا قحط دور فرما دیا۔ [1]

۳- اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی ہے۔ ثمامہ بن اثال ؓ ایک صحابی تھے۔ وہ یمامہ میں رہتے تھے۔ ابھی وہ ایمان نہیں لائے تھے اور ان کی طرف سے مکہ والوں کو گندم آیا کرتی تھی۔ جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان کو پتہ چلا کہ مکہ والے نبی ﷺ سے برا سلوک کرتے ہیں تو انہوں نے سوچ لیا کہ آج کے بعد گندم کا ایک بھی دانہ ہماری طرف سے مکہ والوں کو نہیں ملے گا، چناں چہ انہوں نے گندم روک لی۔ اب جب مکہ والے مصیبت میں پڑ گئے تو انہوں نے باقاعدہ خط لکھا نبی ﷺ کی طرف۔ اس میں انہوں نے لکھا کہ آپ تو رشتہ داریوں کو جوڑنے کا حکم دیتے ہیں، ہماری گندم بند ہو گئی ہے اور ہم بھوک کی وجہ سے مرنے لگے ہیں، آپ ہمارے اوپر مہربانی فرمائیں۔ ان کا خط پڑھ کر نبی ﷺ نے یمامہ کو خط لکھا کہ آپ ان کی گندم بند نہ کرو۔ چناں چہ آپ کی سفارش پر اس نے مکہ والوں کی گندم دوبارہ شروع کر دی۔ [2]

۴- ایک جنگ میں قبیلۂ طے کے لوگ گرفتار کر کے نبی ﷺ کے سامنے پیش کیے گئے۔ ان میں ایک عورت بھی تھی جس کا بچہ گم ہو گیا تھا، وہ ادھر ادھر بھاگی پھر رہی تھی اور اپنے بیٹے کو تلاش کر رہی تھی۔ اس حالت میں اس کے سر سے چادر بھی اتر گئی۔ وہ اچانک نبی ﷺ کے سامنے آ گئی۔ نبی ﷺ نے اپنی چادر ایک صحابی کو دے کر اس کے پاس بھیجا کہ اس کو دے دو، یہ اپنا سر ڈھانپ لے۔ اس صحابی نے کہا: اللہ کے نبی! وہ تو ایک کافر کی بیٹی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحیح البخاری، رقم: ۱۰۲۰، باب إذا استشفع المشرکون بالمسلمین عند القحط

[2] السنن الکبریٰ للبیہقی، رقم: ۱۸۰۳۱، باب ما یفعلہ بالرجال

"اگرچہ کافر کی بیٹی ہے مگر بیٹی تو ہے، آج اگر تو اس کے سر کو ڈھانپے گا تو کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تیرے عیبوں پر رحمت کی چادر ڈال دیں گے۔"

اسی طرح نبی ﷺ کی مبارک زندگی میں احترامِ انسانیت کی ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ کے دل میں ایک انسان کے لیے کتنی محبت، کتنی رحمت تھی۔

صلاح الدین ایوبیؒ کے احترامِ انسانیت کی انوکھی مثال

صلاح الدین ایوبیؒ نے عیسائیوں کے ساتھ جو جنگیں لڑیں، اس میں انہوں نے عیسائیوں کے ساتھ کیسا حسنِ سلوک کا معاملہ کیا، واقعات پڑھ پڑھ کر حیران ہوتے ہیں۔ اِن کے مقابلے میں بادشاہ رچرڈ تھا، جو عیسائی تھا اور مسلمانوں کا بڑا دشمن تھا۔ لڑائی کے دوران رچرڈ کے گھوڑے کو زخم لگا اور گھوڑا مر گیا۔ اگلے دن رچرڈ کے پاس لڑنے کے لیے گھوڑا نہیں تھا تو وہ پیدل لڑنے کے لیے چل پڑا۔ صلاح الدین ایوبی کو پتہ چلا تو صلاح الدین ایوبیؒ نے اپنا گھوڑا بھیجا۔ آپ بادشاہ ہیں اور دشمن کے لشکر کے امیر ہیں، پیدل جنگ لڑتے ہوئے اچھے نہیں لگتے، میں اپنا گھوڑا بھیج رہا ہوں، آپ اس پر سوار ہو کر ہمارے ساتھ جنگ لڑیں۔ انہوں نے رچرڈ کا دل موہ لیا کہ اچھا یہ مسلمان ایسے ہوتے ہیں!

پھر رچرڈ کو محسوس ہوا کہ میں ہار رہا ہوں، لہٰذا مجھے پیچھے سے کمک بلانی چاہیے۔ مشیروں نے کہا کہ جناب تین مہینے لگیں گے کمک آگے میں۔ یعنی تین مہینوں کے بعد فوج آئے گی۔ رچرڈ نے کہا کہ میں کوئی بہانہ ایسا کرتا ہوں کہ مجھے تین مہینے کا وقفہ مل جائے۔ اس نے صلاح الدین ایوبیؒ کو پیغام بھیجا کہ میری بیٹی گھر میں جوان ہو چکی ہے، میں لڑائیوں میں مصروف ہوں، میرا دل چاہتا ہے کہ میں لڑائیوں کو تھوڑی دیر کے لیے روک کر بیٹی کا فرض ادا کر دوں۔ میں بیٹی کی شادی کرنا چاہتا ہوں، آپ پلیز جنگ بند کر دیں۔ صلاح الدین ایوبیؒ نے پیغام بھیجا کہ بیٹیاں سب کی ایک جیسی ہوتی ہیں تم اگر اپنی بیٹی کی شادی کر رہے ہو تو تم اس کی شادی کرو، میں بھی اس کی شادی میں شرکت کے لیے آؤں گا۔ صلاح الدین ایوبیؒ نے دشمن کو یہ پیغام بھیجا، چناں چہ رچرڈ نے دو تین مہینے تیاری کی اور پھر بیٹی کی

شادی کی اور صلاح الدین ایوبی اکیلا اس کی بیٹی کی شادی میں شریک ہوا۔ اس نے رچرڈ کا دل موہ لیا۔ اس نے اپنی فوج کو کہہ دیا ہم ان لوگوں سے جنگ نہیں جیت سکتے۔ صلاح الدین ایوبی نے واپس لوٹ کر جو آخری حملہ کیا اللہ نے بیت المقدس کو فتح کروا دیا۔

شریعت ہمیں انسانیت سے پیار سکھاتی ہے [1]

تو یہ ایک عمل ہے جس کو کہتے ہیں: احترامِ انسانیت کہ جب انسان سے بات کر رہے ہیں تو بات کا انداز اچھا ہونا چاہیے۔ اب یہاں آ کر ہم دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ ہم جذباتی بندے ہیں، ہم ذرا کسی ناپسندیدہ شخص کا نام سنتے ہیں، ساتھ ایسا منہ بنا لیتے ہیں جیسے پتہ نہیں کتنی نفرت ہے ان سے؟ بھئی! اس طرح منہ بنانے کی کیا ضرورت ہے؟

Keep smiling even if you inside boiling.

"اچھے چہرے پر مسکراہٹ رکھو، اگرچہ کہ اندر سے ابل رہے ہو۔"

غصہ ظاہر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کفر کے ساتھ جو نفرت ہے وہ دل میں رکھو، اس کو چہرے پر لانے کیا ضرورت ہے؟ ہاں! شریعت کہتی ہے کہ بات کرو تو محبت پیار سے کرو۔ تو ہم محبت پیار سے بات کریں گے، اللہ کا حکم ہے اور نبی ﷺ کی تعلیم ہے۔

فائدہ (۵۳) شریعت عصبیت کو ختم کرتی ہے

شریعت نے ہمیں احترامِ انسانیت کی تعلیم دی کہ تم سب ایک جیسے ہو، کسی کو کسی پر کوئی

---

[1] اسلام ایک دینِ فطرت ہے اور احترامِ انسانیت سے متعلق یہاں جتنی باتیں ذکر کی جا رہی ہیں وہ یقیناً اسلامی تعلیمات کا حصہ ہیں، لیکن احترامِ انسانیت کی بھی کچھ حدود مقرر ہیں، اگر احترامِ انسانیت اور آپسی بھائی چارہ کو فروغ دینے کے نام پر اُن حدود سے تجاوز کیا جائے گا تو شریعت میں اس کی ہرگز گنجائش نہیں۔ مثلاً غیر اسلامی مذہبی رسومات اور تیوہار میں شرکت کرنا، ان کے مُردار کو ان کی مذہبی رسموں کے مطابق شمشان گھاٹ تک پہنچانا، شرکیہ عقائد پر مشتمل ان کے تہوار پر مبارکباد پیش کرنا، اس کی شریعت میں قطعی ممانعت ہے۔ مثال کے طور پر دار العلوم دیوبند کا یہ ایک فتویٰ ملاحظہ فرمائیں: "غیر مسلم حضرات کے تہوار وغیرہ ان کے مشرکانہ اعتقاد پر مبنی ہوتے ہیں؛ اس لیے ہمارے لیے مشرک سے برأت اور بے تعلقی کا اظہار ضروری ہے، اور چونکہ مبارکبادی دینے میں ان کے فکر وعقیدے کی توثیق وتائید ہوتی ہے؛ اس لیے اس سے احتراز ضروری ہے بسا اوقات یہ سلب ایمان کا بھی باعث ہوسکتا ہے۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔ دار الافتاء، دار العلوم دیوبند (جواب نمبر 145649) ب،ا،ق

فضیلت نہیں، اپنے آپ کو دوسرے پر افضل مت سمجھیں۔ میں تو جی! خان ہوں۔ اور میں تو بلوچ ہوں۔ اور میں تو فلاں ہوں اور میں تو فلاں ہوں۔ کوئی اگر نسب کا مسئلہ ہوتا تو قیامت کے دن اللہ اس کو بدل دیتے۔ اللہ فرماتے ہیں:

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَآ أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَآءَلُونَ ۝ [1]

''پس جب صور پھونک دیا جائے گا اس دن نہ تو آپس کے رشتے ہی رہیں گے، نہ آپس کی پوچھ گچھ۔''

قیامت کے دن نسب کو پوچھا ہی نہیں جائے گا۔ اس لیے کہ سب ایک ہیں، سب اللہ کے بندے ہیں۔

نکاح کے لیے کفو کی شرط میں حکمت

ہاں! اس میں شریعت نے کفو کا حکم دیا ہے کہ جب لڑکی کی شادی کرنی ہو تو تم کم از کم ایسا گھر ڈھونڈو جو تمہارا ہم مرتبہ ہو۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر ایک امیر گھر کی بچی بہت غریب گھر میں چلی جائے تو وہ وہاں ایڈجسٹ ہی نہیں ہو سکے گی۔ تو وہاں جھگڑے ہوں گے اور طلاق ہو جائے گی۔ تو شریعت نے منع کیا کہ نہیں شادی کرنی ہے تو لیول میں کرو۔ اب یہ لیول میں کون ہے۔ جس نے بھی کلمہ پڑھ لیا وہ سب ایک لیول پر ہیں۔ ہاں! اگر دنیاوی اعتبار سے بھی ایک جیسا ہو تو اور زیادہ اچھا ہو جائے گا۔ اس لیے کفو میں شادی کرنا شریعت نے اس کا حکم لگا دیا۔ اس میں یہ بھی حکمت تھی کہ عین ممکن ہے کہ کوئی مرد چالاک ہو اور وہ کسی امیر گھر کی سادہ لڑکی کو باتوں میں ایسا الجھا لے کہ لڑکی شادی کے لیے تیار ہو جائے۔ تو ماں باپ اس کو کہیں گے کہ نہیں بیٹی! یہ تمہارے پلے کا نہیں ہے، اس خاندان میں شادی نہیں کر سکتے۔ اس کی نظر لڑکی پر نہیں ہے، اس کی نظر لڑکی کے آنے والے جہیز کے اوپر ہو گی۔ کتنا حسن ہے اس شرط کے لگانے میں۔ ماں باپ کی عقل چوں کہ ٹھکانے میں ہوتی ہے، وہ جذباتی سوچ نہیں رکھتے، وہ بیٹی کو سمجھاتے ہیں کہ بیٹی تمہاری

---

[1] المومنون: ۱۰۱

رائے کا ہم احترام کرتے ہیں، لیکن جو تم نے چوائس کی ہے نا! وہ تمہارا فیصلہ غلط ہے، وہ بچہ تمہارے برابر کا نہیں ہے، ہم اسے منع کر سکتے ہیں۔ لیکن جس نے بھی کلمہ پڑھا وہ کفو میں شامل ہے، سب ایک جیسے ہیں، شادی ہو سکتی ہے۔ چاہے کشمیری بچی کی شادی کراچی والے سے ہو اور چاہے پنجابی لڑکی کی شادی کسی سوات والے سے ہو۔ اس میں بھی شریعت کا حسن ہے۔ گورا کالا، عربی عجمی، زبان کا فرق کوئی فرق نہیں، رنگ کا فرق کوئی فرق نہیں، جگہ کا فرق کوئی فرق نہیں۔ اور اسی چیز کو نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر کھولا کہ کسی عربی کو عجمی کے اوپر فضیلت نہیں اور کسی عجمی کو عربی کے اوپر فضیلت حاصل نہیں۔ نبی ﷺ نے تو عصبیت کی جڑیں کاٹ کر رکھ دیں۔

عصبیت کا تدارک

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے۔ ایک مرتبہ ان کے سامنے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کوئی ایسی بات ہوگئی جو غلطی والی تھی۔ جب غلطی ہوگئی تو انہوں نے غصے میں کہہ دیا: اے کالی عورت کے بیٹے! اے حبشن کے بیٹے! اب یہ طعنہ ہے، ان کو عصبیت کا طعنہ دیا گیا۔ جب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ابوذر غفاری! تمہاری اس بات میں عصبیت کی بو آتی ہے۔ تم نے یہ کیسی بات کر دی؟ تو ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فوراً متنبہ ہوئے کہ ہاں! مجھے تو یوں نہیں کہنا چاہیے تھا۔ پھر انہوں نے نبی ﷺ کے صحابی ہونے کا حق ادا کر دیا۔ وہیں زمین کے اوپر لیٹ گئے اور بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بلال! آؤ اور میرے رخسار کے اوپر جوتے سے اپنا پاؤں رکھ کر آگے گزر جاؤ۔ اگر میں نے کوئی ایسی بات کی ہے کہ تمہیں Hurt کیا تو اب میں تمہارے پاؤں کے نیچے اپنے آپ کو پامال کر کے دکھاتا ہوں۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دکھا دیا کہ یہ رنگ کی فضیلت کوئی فضیلت نہیں ہوتی۔ [1]

یوں سیّد بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ مسلمان بھی ہو

[1] شعب الایمان، رقم: ۴۷۷۰، فصل: ومما یجب حفظ اللسان

فرقہ بندی ہے اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

آج ہمارے کھوکھلا ہونے کی بنیادی وجہ ہمارے اندر کے یہ سارے جھگڑے ہیں۔ گھروں میں بھی ہیں، سوسائٹی میں بھی ہیں، آپس میں بھی طبقے بازی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایک بن کر، نیک بن کر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

ایمان اور اسلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ و کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا یَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۶﴾ یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ (الحجرات: ۱۴ تا ۱۸)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۸۱﴾
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۲﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

آج کی آیات ایمان اور اسلام کے بارے میں ہیں۔ یہ پانچ آیتیں ہیں اور انہیں کے اوپر اس سورت کا اختتام ہوتا ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا یَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴﴾

"دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ دیجیے کہ درحقیقت تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے، حالاں کہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا اور اگر تم اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرنے لگو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

آیات کا پسِ منظر

بنو اسد قبیلے کے کچھ دیہاتی لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام لانے کے لیے حاضر ہوئے۔ یہ قحط کا زمانہ تھا اور یہ لوگ مال حاصل کرنے کے لالچ میں مدینہ آئے تھے، اس لیے اپنے ایمان لانے کا اظہار کر دیا۔ اب چوں کہ دل سے ایمان نہیں لائے تھے، اس لیے ان کے اعمال اور طور طریقے بھی جاہلوں والے ہی تھے۔ پھر انہوں نے اپنے ایمان لانے کا احسان بھی دھرنا شروع کر دیا کہ ہم بغیر کسی جنگ کے خود ہی حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے ہیں، ہماری تو قدر ہونی چاہیے، یہ گویا ایک طرح سے شانِ رسالت میں گستاخی تھی، اس لیے ان کی مذمت میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ

"کہہ دیا ان اعرابیوں نے کہ ہم ایمان لے آئے۔ محبوب! آپ فرما دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے۔ تم یہ کہو کہ تم اسلام لے آئے، ابھی ایمان (اچھی طرح راسخ ہو کر) تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔"

فائدہ (۵۴) ایمان اور اسلام دونوں ایک ہی چیز ہیں

اس آیت کو پڑھنے سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ایمان الگ چیز ہے اور اسلام الگ چیز ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ ایمان اور اسلام دونوں ایک ہیں۔ اس لیے مسلمان وہی ہوتا

ہے جو مومن ہوتا ہے اور مومن وہی ہوتا ہے جو مسلم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین اور مسلمین کو قرآن مجید کی ایک ہی آیت میں جمع کیا ہے یعنی وہ لوگ مومن تھے اور وہی لوگ مسلمان تھے۔

مبدا اور معاد کا فرق

ایمان اور اسلام آپس میں ایک ہیں، مگر ان میں تھوڑا سا فرق ہے۔ ہمارے اکابر نے سمجھانے کے لیے کہا کہ اس میں مبدا اور معاد کا فرق ہے۔ ایمان کی ابتدا انسان کے دل سے شروع ہوتی ہے اور پھر پھیلتے پھیلتے انسان کے جسم پر اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور انسان شریعت کی پابندی کرنے لگتا ہے تو اس کو اسلام کہتے ہیں۔ تو دل سے شروع ہوا اور ظاہر پر آکر ختم ہوا۔ شروع میں ایمان تھا اور جو آخر پر نظر آیا اسلام تھا۔

بعض دفعہ یہ ظاہر سے شروع ہوتا ہے کہ بندے نے کلمہ پڑھ لیا اور وہ مسلمان کہلایا تو یہ ظاہر سے شروع ہو گیا، مبدا یہ بن گیا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے دل میں اللہ کی محبت بھی آجاتی ہے اور دین کا یقین بھی آجاتا ہے تو اس کے دل میں یہ چیز راسخ ہو جاتی ہے، تو انتہا دل پر جا کر ہوئی، تو کبھی دل سے ابتدا ہوتی ہے، ظاہر پر انتہا اور کبھی ظاہر سے ابتدا ہوئی اور دل پر انتہا۔ تو یہ مبدا اور معاد کا فرق ہے، باہر اور اندر کا فرق ہے۔ ورنہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔

ایمان اور اسلام کا فرق آسان لفظوں میں

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا: حضرت! ایمان اور اسلام کے فرق کا پتہ نہیں چلتا۔ انہوں نے کہا کہ میں علمی مسئلوں میں تو نہیں پڑتا، آسان لفظوں میں سمجھاتا ہوں کہ اللہ کو ماننا یہ ایمان ہے اور اللہ کی ماننا یہ اسلام ہے۔ تو آپ بھی یہ دو فقرے یاد رکھیں کہ اللہ کو ماننا ایمان ہے اور اللہ کی ماننا اسلام ہے۔

ایمان کیا ہے

ایمان کی اصطلاحی تعریف

ایمان ہے اللہ کو اس کی صفات کے ساتھ ماننا، فرشتوں کو ماننا، اللہ کی کتابوں کو ماننا،

پیغمبروں کو ماننا، قیامت کے دن کو ماننا اور جو خیر اور شر دنیا میں ہے وہ اللہ کی مشیت سے ہے، اس چیز کو ماننا۔ اب جس نے اس کو مان لیا وہ ایمان لے آیا، مومن بن گیا۔

فائدہ (۵۵) بن دیکھے کسی چیز کو کسی کے اعتماد پر مان لینا ایمان ہے

اللہ کو ماننا ایک بہت بڑا عمل ہے، چوں کہ ہم اللہ کو دیکھ کر نہیں مان سکتے، بن دیکھے مان سکتے ہیں۔ اللہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے، وہ کوئی ایسی مجسم چیز نہیں ہے کہ جسے ہم دیکھ لیں۔ کیوں کہ جس چیز کو ہم دیکھ سکیں وہ تو محدود چیز ہوگئی اور ذاتِ الٰہی کے لیے تو کوئی حد نہیں ہے۔ تو اللہ ہماری سوچ سے، عقل سے، وہم وگمان سے بلند وبالا ہے۔ اب جو ہے ہی بلند وبالا اس کا مطلب یہ کہ بن دیکھے ماننے والی بات ہے۔ تو بن دیکھے کسی چیز کو کسی کے اعتماد پر مان لینا، اس کو ایمان کہتے ہیں۔

مثال کے طور پر آسان طریقے سے سمجھاتا ہوں کہ میں آپ کو کہتا ہوں کہ جی! میری جیب میں پین ہے۔ اگر لوگ میری اس بات کو مان لیں گے کہ جی مسجد میں بیٹھے ہیں، کیوں جھوٹ بولیں گے؟ ہم مانتے ہیں کہ آپ کی جیب میں پین ہے تو یہ ایمان ہے۔ اور اگر میں جیب میں ہاتھ ڈالوں اور پین نکال کر آپ کو دکھا دوں تو اب یہ ایمان نہیں رہا، بلکہ اب یہ مشاہدہ بن گیا۔ اب جب آپ آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں تو اب اس کو اگر آپ مانیں گے بھی تو اس کو ایمان نہیں کہا جائے گا، اس کو مشاہدہ کہا جائے گا۔ ایمان اور مشاہدہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جب مشاہدہ ہوگیا تو ایمان کی حد ختم ہوگئی۔ اسی لیے موت کے وقت جب بندہ مرنے لگتا ہے تو اس کو جنت نظر آتی ہے، اس وقت اگر وہ کلمہ پڑھتا ہے تو اس کا کلمہ قبول نہیں ہوتا۔ فرعون نے موت کے وقت کہا تھا:

اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۝ (یونس:۹۰)

”میں ایمان لاتا ہوں اس بات پر کہ جس خدا پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اطاعت کرنے والوں میں سے ہوں۔“

جواب میں اسے کہا گیا:

آلْئٰنَ ''تو اب ایمان لایا؟''

اب تو تیری آنکھوں کے سامنے سب کچھ آگیا، اب تیرا ایمان معتبر نہیں۔ لہٰذا اس کو کفر کے اوپر موت آئی۔

تو ایمان کہتے ہیں: بن دیکھے کسی پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی بات کو مان لینا، ہم نے اللہ کو بن دیکھے، نبی ﷺ پر اعتماد کرتے ہوئے مان لیا ہے، اس لیے یہ ہمارا ایمان ہے، ہم نے نبی ﷺ پر اعتماد کرتے ہوئے جو شریعت وہ اللہ کی طرف سے لے کر آئے اس کو تسلیم کرلیا، لہٰذا اب مومن ہیں۔

فائدہ (۵۶) ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ذات وصفات کا یقین دل میں اتر جائے

ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ذات وصفات کا یقین بندے کے دل میں اترا ہوا ہو کہ میرا ایک خدا ہے جو زندہ ہے، مجھے دیکھتا ہے، میری بات کو سنتا ہے اور مجھے قیامت کے دن اس کے سامنے پیش ہونا ہے۔ بت تو ہوتے ہیں اندھے بہرے، سنتے ہی نہیں، دیکھتے ہیں نہیں، ہمارا خدا زندہ خدا ہے۔ ہمارا خدا سنتا بھی ہے، دیکھتا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ استحضار دل میں بٹھانا کہ اللہ دیکھتا ہے اور سنتا ہے اور اللہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔

هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ (الحدید:۴)

''تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔''

ہم گھر میں ہوں کمرے میں ہوں، جنگل میں ہوں، ہم تنہائی میں ہوں یا اندھیرے میں ہوں، ہم جہاں کہیں بھی ہوں، اللہ ہمارے ساتھ ہوگا۔ ہم آسمانوں پر چلے جائیں یا سمندر کی تہہ میں چلے جائیں، اللہ ہمارے ساتھ ہوگا، ایمان میں یہ کیفیت مقصود ہے۔

صحابہؓ کا مثالی ایمان

نبی ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے دلوں میں سب سے پہلے یہ نظریہ بٹھایا تھا کہ اللہ تمہیں دیکھتا بھی ہے، تمہاری بات سنتا بھی ہے اور اللہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔ صحابہ کرامؓ کو

یہ احساس اتنا تھا کہ ہر وقت انہیں خیال رہتا تھا کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے، اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اس لیے ان کے دل میں اللہ کی معیت کا ایسا استحضار پیدا ہو گیا تھا کہ وہ لوگوں کے لیے نہیں اللہ کے لیے گناہ چھوڑ دیتے تھے۔ وہ اللہ سے ڈرتے تھے۔ اس ایمان کو انہوں نے پہلے سیکھا بعد میں انہوں نے دوسری تعلیمات کو سیکھا۔ صحابہ کرامؓ نے کہا:

فَتَعَلَّمْنَا الْإِيْمَانَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْاٰنَ. [1]

''پہلے ہم نے ایمان سیکھا، بعد میں ہم نے قرآن سیکھا۔''

اور ایک روایت میں ہے:

فَتَعَلَّمْنَا الْإِيْمَانَ قَبْلَ أَنْ نَتَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ، ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْاٰنَ فَازْدَدْنَا بِهٖ إِيْمَانًا.

''ہم نے ایمان سیکھ لیا قبل اس کے کہ قرآن سیکھیں پھر ہم نے قرآن سیکھا اس کی وجہ سے ہم ایمان میں بڑھ گئے۔'' [2]

۞ --- سیدنا صدیق اکبرؓ فرماتے تھے کہ مجھے اللہ سے اتنی حیا آتی ہے کہ میں جب بیت الخلاء جاتا ہوں تو مجھے اپنا تہہ بند اٹھاتے شرم آتی ہے کہ میرا ننگا بدن میرا اللہ نہ دیکھ لے۔ میں جب زمین کے بالکل قریب ہو جاتا ہوں تب اپنی تہہ بند ہٹاتا ہوں کہ میرے جسم کے پوشیدہ حصے کو کوئی نہ دیکھ سکے۔ [3]

یہ ایک احساس تھا جو ہر ایک کے دل میں تھا۔ چاہے وہ بڑا تھا یا چھوٹا تھا، بوڑھا تھا یا بچہ تھا۔

۞ --- حضرت عمرؓ صبح کے وقت ایک گلی میں جا رہے تھے۔ ایک گھر میں کسی بوڑھی عورت نے بچی سے کہا: بیٹی! بکریوں نے دودھ دے دیا؟ اس نے کہا: دے دیا۔ اس نے پوچھا: کتنا دودھ دیا؟ اس نے کہا: تھوڑا دودھ دیا۔ تو بوڑھی عورت نے کہا کہ دودھ لینے والا آئے گا تو وہ تو پورا دودھ مانگے گا۔ تم دودھ میں تھوڑا پانی ملا دو۔ تو بیٹی نے جواب دیا کہ میں پانی نہیں ملا سکتی۔ کیوں کہ عمرؓ نے اعلان کروایا ہے کہ دودھ کا کام کرنے والا کوئی بندہ دودھ

---

[1] جامع الرسائل لابن تیمیہ، جز: ۲

[2] سنن ابن ماجہ، رقم: ۶۱

[3] شعب الایمان، رقم: ۷۳۴۷

میں پانی نہ ملائے۔ تو بوڑھی عورت نے کہا کہ بیٹی! پانی ملا دو، کون سا عمر (رضی اللہ عنہ) دیکھ رہا ہے؟ تو نوجوان بیٹی نے جواب دیا کہ امی! عمر نہیں دیکھ رہا عمر کا خدا تو دیکھ رہا ہے۔ یعنی ایسا یقین بن گیا تھا کہ نوجوان بچے بچیوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ ہم تنہائی میں بھی کوئی کام کریں گے تو اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ وہ اللہ کے ڈر سے گناہ نہیں کرتے تھے۔ [۱]

۞-- حضرت عبداللہ ابن عمرؓ جنگل میں جا رہے تھے۔ تنہائی تھی۔ انہوں نے ایک چرواہے کو دیکھا کہ بکریاں چرا رہا ہے۔ اس کو بلایا اور کہا کہ اللہ کے بندے! ایک بکری ہمیں بیچ دو، ہم اسے ابھی آگ پر روسٹ کرتے ہیں تم بھی کھانا، ہم بھی کھائیں گے۔ اس نے کہا: میں تو نہیں بیچ سکتا، یہ بکریاں میری تو نہیں یہ تو مالک کی ہیں۔ آپ نے کہا: کوئی بات نہیں، مالک کون سا ساتھ ہے، اسے کہہ دینا بکری کو بھیڑیا کھا گیا تھا۔ جب اس نے سنا تو کہا: ''فَأَيْنَ اللّٰه'' میں مالک کو کہوں کہ بکری کو بھیڑیا کھا گیا تو پھر اللہ کہاں ہے؟ اللہ تو دیکھ رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ یہ واقعہ سنایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے: دیکھو! نبی ﷺ نے لوگوں کے دلوں میں ایسا ایمان بٹھا دیا تھا کہ جنگل کی تنہائی میں ایک چرواہے کو بھی ایسے کہا جائے تو اسے یاد ہوتا ہے کہ مجھے اللہ دیکھ رہا ہے۔ [۲]

۞-- کتابوں میں لکھا ہے ایک عورت اندھیری رات میں کہیں جا رہی تھی۔ ایک مرد کو پتہ چل گیا۔ وہ اس کے راستے میں کھڑا ہو گیا اور اسے کہا کہ دیکھ اب تو ہے، میں ہوں اور ستارے ہیں۔ عورت نے یہ سن کر کہا کہ اچھا تو بتاؤ:

''أَيْنَ مُكَوِّكِبُهَا؟'' [۳]

''ستاروں کا بنانے والا کہاں ہے؟''

جب اس نے یہ بات کی تو مرد کے دل میں بھی اللہ کا خوف پیدا ہو گیا اور برائی کا خیال چھوڑ دیا۔

---

[۱] سیرت عمر ابن عبدالعزیز، ص: ۱۳، ۱۴، تاریخ دعوت وعزیمت: ۱/ ۳۴

[۲] شعب الایمان، رقم: ۴۹۰۸، باب: فی الامانات....

[۳] شعب الایمان، رقم: ۸۵۲، باب فی الخوف من اللہ تعالیٰ

فائدہ (۵۷) ذکر وسلوک کی محنت سے ایمان کی حقیقت نصیب ہوتی ہے

آج ہمیں اس ایمان کو پھر سیکھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دل میں ایسا استحضار پیدا کردے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور ہر وقت ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اور یہ جو ذکر وسلوک کا راستہ ہے اس میں اسی یقین کو سیکھنے کے لیے آنا ہوتا ہے۔

حضرت داؤد طائیؒ کی کیفیت

داؤد طائی فرماتے ہیں کہ میں اس وقت چھوٹا بچہ تھا، میرے ماموں نے مجھے کہا کہ داؤد! تو کیا کرتا ہے؟ میں نے کہا کہ میں علم حاصل کرتا ہوں۔ کہنے لگے: اگر علم حاصل کرتے ہو تو ایک سبق میں بھی دے دوں؟ میں نے کہا: دے دیں۔ ماموں نے کہا کہ رات کو سونے سے پہلے چند مرتبہ کہا کرو: ''اللہ مجھے دیکھتا ہے، اللہ میرے ساتھ ہے۔'' میں نے عادت بنالی۔ میں رات کو سونے سے پہلے یہی الفاظ کہتا کہ اللہ مجھے دیکھتا ہے، اللہ میرے ساتھ ہے۔ آہستہ آہستہ میرا تو یہ یقین بن گیا کہ جیسے دوربین لگی ہوئی ہے اور اللہ مجھے واقعی دیکھ رہے ہیں۔ تو میرے ذہن میں گناہ کا خیال آتا ہی نہیں تھا۔ تھوڑے دنوں بعد ماموں نے مجھ سے پوچھا کہ بیٹا تم نے سبق یاد کیا؟ میں نے کہا: ماموں! میں نے بہت اچھا سبق یاد کیا ہے۔ ماموں نے کہا: اب ایک اور سبق یاد کرنا کہ ''اللہ میری سنتا ہے اور اللہ میرے ساتھ ہے۔'' اب میں نے یہ کہنا شروع کردیا یعنی یہ تصور کہ اللہ دیکھتا بھی ہے، اللہ سنتا بھی ہے اور اللہ میرے ساتھ بھی ہے۔ اب میں بولتے ہوئے بھی یہ خیال رکھتا تھا کہ میری زبان سے کوئی بات جھوٹ نہ نکلے، جو اللہ کو بری لگے۔ کیوں کہ اللہ سنتا بھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پھر یہ ایسا یقین میرے دل میں بیٹھ گیا کہ پھر میری پوری زندگی تقویٰ کے اوپر گزری۔

یہ داؤد طائی امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بزرگ تھے اور تقویٰ کے پہاڑ تھے۔ اپنے ہم عصر لوگوں میں ان کے تقویٰ کا بڑا شہرہ تھا۔ اس کی بنیاد کیسے پڑی کہ ایک چھوٹا سا بچہ مراقبہ کرتا تھا کہ اللہ مجھے دیکھتا ہے، اللہ میری سنتا ہے، اللہ میرے ساتھ ہے۔ خانقاہوں میں یہی سکھایا جاتا تھا۔ چناں چہ سلسلۂ چشتیہ میں ہے:

''اَللّٰہُ حَاضِرِیْ، اَللّٰہُ نَاظِرِیْ، اَللّٰہُ مَعِیْ.''

''اللہ حاضر ہے، اللہ ناظر ہے، اللہ میرے ساتھ ہے۔''

اس کا مقصد اس یقین کو دل میں بٹھانا، اسی استحضار کو دل میں پیدا کرنا ہے اور جب یہ استحضار دل میں پیدا ہو جاتا تھا مشائخ پھر ان کو اجازت وخلافت دے دیا کرتے تھے۔

حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کی کیفیت

ملتان میں ایک بزرگ گزرے ہیں: حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ۔ وہ جب اپنے شیخ کے پاس گئے تو انہیں چند دن میں خلافت مل گئی۔ تو شیخ کے ساتھ جو پرانے خدمت کرنے والے موجود تھے، وہ بڑے حیران کہ ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں۔ کہنے لگے: حضرت! ہم سالوں سے آپ کی خدمت کر رہے ہیں، آپ نے ہم پر تو نظرِ شفقت نہ فرمائی، یہ کل کا نوجوان آیا ہے اور آپ نے چند دنوں میں اجازت وخلافت دے کر بھیج دیا؟ تو حضرت نے دل میں سوچا کہ میں ان کو اس کا جواب دوں گا۔ چناں چہ ایک دو دن گزرے تو مہمان آ گئے۔ تو جتنے مہمان تھے، حضرت نے اتنی مرغیاں منگوائیں اور سب کو ایک ایک مرغی دے دی اور ایک چھری دی اور کہا کہ جاؤ ایسی جگہ جا کر ذبح کر کے لاؤ جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو۔ وہ خادم باہر نکلے، کسی نے دیوار کی اوٹ میں ذبح کیا، کسی نے درخت کی اوٹ میں ذبح کیا، کسی نے چٹان کی اوٹ میں ذبح کیا، سب مرغی کو ذبح کر کے لے کر آ گئے۔ تھوڑی دیر بعد زکریا ملتانیؒ بھی واپس آ گئے، لیکن ان کے ہاتھ میں مرغی اسی طرح زندہ تھی اور وہ رو رہے تھے۔ شیخ نے پوچھا کہ زکریا! رو کیوں رہے ہو؟ کہنے لگے: حضرت! آپ نے یہ شرط لگائی تھی کہ جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو وہاں ذبح کرنا، میں جہاں بھی گیا، میرا خدا ہر جگہ دیکھ رہا تھا، مجھے کوئی ایسی جگہ نہ ملی جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو، اس لیے میں مرغی کو ایسے ہی لے کر آ گیا ہوں۔ حضرت نے باقی مریدین کو بتایا کہ اس کی یہ جو کیفیت ہے کہ اللہ مجھے ہر جگہ دیکھتا ہے، اس کی وجہ سے اس کو جلدی اجازت عطا کر دی گئی۔ تمہارا یقین نہیں بنا، تمہیں اجازت نہیں دی گئی۔ اس یقین کو آج بھی بنانے کی ضرورت ہے۔ کوئی بھی بندہ بنا لے تو اس نسبت کو حاصل کرنا کوئی مشکل نہیں ہے۔

فائدہ (۵۸) دنیا میں سب سے قیمتی چیز ہمارا ایمان ہے

ہمارے پاس دنیا میں سب سے قیمتی چیز ہمارا ایمان ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ انسان مال کو قیمتی سمجھتا ہے، اس کو خرچ کرتے ہوئے گھبراتا ہے لیکن جب بیمار ہوجاتا ہے نا! تو پھر پیسے کا خیال نہیں کرتا۔ والد صاحب کا آپریشن ہونا ہے، ڈاکٹر کہتے ہیں پانچ لاکھ روپے لگیں گے۔ بیٹا کہتا ہے: جی! میں نے پوری زندگی میں پانچ لاکھ اکٹھا کیا تھا لیکن میں ابو کا آپریشن کرواؤں گا۔ وہ پیسے کو نہیں دیکھتا۔ اس لیے کہ جان پیسے سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ تو مال سے زیادہ قیمتی چیز ہمارے پاس جان ہے اور جان سے بھی زیادہ قیمتی ہمارے پاس عزت آبرو ہے۔ چناں چہ بہت سارے ایسے مواقع آئے کہ مسلمان عورتوں کی عزت کو خطرہ تھا تو انہوں نے کنویں میں چھلانگ لگا کر اپنی عزت بچائی۔ جان دے دی عزت کو بچالیا۔ تو مال خرچ کر کے ہم نے جان کو بچایا اور جان کو خرچ کر کے ہم نے اپنی عزت کو بچایا۔ لیکن عزت سے بھی زیادہ قیمتی چیز ہمارے پاس ہمارا ایمان ہے، یہ اس سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔

حضرت عمرؓ کے نزدیک ایمان کی قیمت

ایک صحابی تھے جو کافر بادشاہ کے نرغے میں تھے تو کافر بادشاہ نے انہیں کہا کہ میں مسلمان ہوسکتا ہوں اگر تمہارے خلیفہ عمر ابن خطابؓ اپنی بیٹی سے میرا نکاح کردیں۔ انہوں نے کہا کہ جی! میں تو اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا، پوچھ کر بتا سکتا ہوں۔ چناں چہ کافر بادشاہ نے انہیں چھوڑ دیا۔ وہ عمرؓ کے پاس آئے اور آکر ساری بات بتائی۔ امیر المومنین! کافر بادشاہ نے مجھے یہ کہا تھا کہ میں اس شرط پر مسلمان ہوتا ہوں اگر عمر ابن خطاب اپنی بیٹی سے میری شادی کردیں۔ تو عمر ابن خطابؓ کہتے ہیں: تم نے ہاں کیوں نہ کی؟ حضرت! بیٹی تو آپ کی تھی میں ہاں کیسے کردیتا؟ فرمایا: کیا عمر کی بیٹی کی عزت اسلام سے زیادہ قیمتی تھی؟ تمہیں چاہیے تھا فوراً ہاں کردیتے۔ اگر میری بیٹی سے نکاح کر کے وہ اسلام قبول کرتا ہے تو میں اس کے لیے فوراً تیار ہوں۔ تو ہمارے پاس جو سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے وہ ایمان ہے۔

ایمان کی فکر

ایمان اتنی قیمتی چیز ہے لیکن عجیب بات ہے کہ آج ہم ایمان کے بارے میں ہی بے فکر ہو گئے ہیں۔ ایسا دجالی دور آ گیا کہ انسان کو اپنے ایمان کی فکر ہی نہیں رہی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک ایسا دور آئے گا کہ بندہ صبح ایمان والا ہوگا، شام سونے کے لیے بستر پر جائے گا تو ایمان سے خالی ہوگا۔ [1] اس کا مطلب یہ کہ ہمیں ایمان کی فکر ہی ختم ہو گئی ہے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے جو ہمارے اندر آتا جا رہا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایسی باتیں کر دینا جس سے انسان دائرۂ اسلام سے ہی خارج ہو جاتا ہے۔ آج کل نوجوان اللہ کے بارے میں ہی بے زاری کی باتیں کر دیتے ہیں، شریعت کے بارے میں ہی بے زاری کی باتیں کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں: ساری پابندیاں ہمارے لیے ہی ہیں؟ اس طرح کی باتیں کلماتِ کفر ہوتے ہیں اور بندہ ایمان سے خالی ہو جاتا ہے۔ ایسی باتوں سے بہت ڈرنا چاہیے، بچنا چاہیے۔ اپنے ایمان کی حفاظت کرنی چاہیے۔

بن دیکھا سودا

آج ہم نے اللہ کو بن دیکھے مانا ہے اس لیے جنّت سستی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: ایک خشک کھجور بھی اللہ کی راہ میں صدقہ دے دیں گے تو اللہ تعالیٰ بندے کو جنت عطا فرما دیں گے۔ آپ بتائیں سونے چاندی سے بنی ہوئی جنت کی قیمت تو ڈالرز میں ہونی چاہیے تھی۔ ایک خشک کھجور میں جنت کو بیچ دینا یہ کوئی معمولی بات تو نہیں ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ ہم نے بن دیکھے مانا ہے۔ جب دیکھ لیں گے تو پھر اس کی قیمت ادا نہیں کر سکیں گے۔

اس کو سمجھانے کے لیے میں آپ کو ایک واقعہ سنا دیتا ہوں۔ ہارون الرشید کے زمانے میں ایک بزرگ گزرے ہیں، بہلول دانا۔ ایک دفعہ ہارون الرشید اور اس کی بیوی دریا کے کنارے کے اوپر چہل قدمی کر رہے تھے۔ ہارون الرشید چند فٹ آگے تھا اور اس کی بیوی چند فٹ پیچھے آ رہی تھی۔ آگے بہلول دانا بیٹھے ہوئے ریت کے چھوٹے چھوٹے گھر بنا رہے

[1] صحیح مسلم، رقم: ۳۲۸

تھے۔ جیسے بچے ریت سے کھیلتے ہیں تو وہ ہاتھ پاؤں سے گھر بناتے ہیں۔ ہارون الرشید آگے بڑھا اور سلام کیا، پوچھا: بھئی! کیا کر رہے ہو؟ جی! میں گھر بنا رہا ہوں۔ کیوں گھر بنا رہے ہو؟ بہلول نے کہا: جو خریدے گا، میں اس کے لیے دعا کروں گا کہ اللہ! اس گھر کے بدلے اس کو جنت میں گھر عطا فرمائے گا۔ پوچھا: اس کی قیمت کتنی ہے؟ انہوں نے کہا: جی ایک درہم قیمت ہے۔ اب ہارون الرشید بادشاہ تھا، اس نے سوچا: یہ جہاز (مست) ہے بیٹھا ہوا پرواز کر رہا ہے، جنت میں گھر الاٹ کر رہا ہے۔ پیچھے اس کی بیوی آئی۔ اب بیوی نے بھی سلام کیا اور پوچھا: بہلول! کیا کر رہے ہو؟ کہا: گھر بنا رہا ہوں۔ کیوں گھر بنا رہو؟ بی بی! جو اس کو خریدے گا، میں دعا کروں گا، اللہ اس گھر کے بدلے اس بندے کو جنت میں گھر عطا فرمائے گا۔ اب وہ دل میں اولیاء کا احترام رکھنے والی عورت تھی۔ اس نے پوچھا: قیمت کتنی ہے؟ انہوں نے کہا: ایک درہم ہے۔ اس نے اپنے پرس میں سے ایک درہم نکالا اور دے دیا۔ کہا: میرے لیے بھی دعا کر دینا، اللہ مجھے بھی جنت میں گھر عطا فرمائے۔

میاں بیوی شاہی محل میں واپس آ گئے۔ اب جب رات کو سوئے تو ہارون الرشید نے خواب دیکھا کہ یہ جنت کی سیر کر رہا ہے اور جنت میں طرح طرح کے خوب صورت محلات ہیں، کوئی سونے کی اینٹوں کا، کوئی چاندی کی اینٹوں کا۔ ان میں ایک سرخ یاقوت کا بنا ہوا بھی تھا۔ روبی کا محل۔ روبی ایک سرخ رنگ کا پتھر ہوتا ہے، جس عورت کی انگوٹھی میں لگا ہوا ہو تو وہ محل میں لہرا لہرا کر اپنا ہاتھ دوسروں کو دکھاتی ہے کہ پتہ چلے کہ میرے پاس پتھر کی انگوٹھی ہے۔ اس کی انگوٹھی پر عورتوں کو اتنا مان ہوتا ہے۔ لیکن یہ تو پورا محل روبی کا بنا ہوا تھا۔ یا اللہ! ہارون الرشید بھی دیکھ کر حیران ہوا۔ جب دروازے پر دیکھا تو اس کے اوپر زبیدہ کا نام لکھا ہوا تھا۔ ہارون الرشید کی حیرت اور بڑھ گئی۔ اچھا! یہ میری بیوی کا گھر ہے، چلو میں بھی دیکھتا ہوں یہ اندر سے کیسا ہے؟ اب ہارون الرشید دروازے پر آیا، وہاں ایک فرشتہ سکیورٹی گارڈ کھڑا تھا۔ اس نے کہا کہ تم اندر کیوں جا رہے ہو؟ ہارون نے کہا: جی! یہ میری بیوی کا نام لکھا ہوا ہے، یہ میری بیوی کا گھر ہے۔ گارڈ نے کہا: ہے تو تمہاری بیوی کا گھر لیکن اس جہان کا یہ دستور ہے کہ جس کا نام لکھا ہوا ہوتا ہے، وہی اندر جا سکتا ہے، دوسرا نہیں جا

سکتا۔ تو میاں! چل پیچھے ہٹ، اس نے جو دھکا دیا نا تو ہارون الرشید کی آنکھ کھل گئی۔

اب ہارون الرشید کو بڑا افسوس ہوا کہ میں نے تو مکان لیا نہیں اور میری بیوی نے مکان لے لیا، میں محروم ہو گیا۔ اب ایک تو اس کو افسوس تھا کہ میں نے موقع مس کر دیا اور دوسرا بڑا افسوس اس کو یہ تھا کہ بیوی مجھ سے زیادہ عقل مند نکلی۔ مردانہ غیرت اس کو برداشت نہیں کرتی کہ بیوی نے صحیح فیصلہ لے لیا اور میں نے غلط لیا۔ اب اس کا چین آرام اڑ گیا۔ سارا دن کہیں دل نہیں لگ رہا، کسی کام میں کچھ کرنے کو دل نہیں چاہتا، افسوس ہوا جا رہا ہے کہ میں نے بس اپنا نقصان کر لیا۔ انسان کو اللہ نے ایسا بنایا ہے کہ اس کا دماغ thought procsess (سوچ بچار) کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں after math یعنی جو ہو چکا ہے وہ تو ہو چکا اب کیا ہو سکتا ہے؟ وہ سوچنا شروع کر دیتا ہے۔ اب یہ سوچتے سوچتے ہارون کے ذہن میں خیال آیا: اچھا آج بھی ہم دریا کے کنارے سیر کے لیے جائیں گے، اگر آج بہلول بیٹھا ہوا ملا تو ایک مکان کا سودا تو میں بھی لازمی کروں گا۔ چناں چہ دفتر سے جلدی گھر آ گیا اور بیوی کو کہا کہ چلو چلتے ہیں walk (چہل قدمی) کرنے کے لیے۔ بیوی کو بھی ساتھ گھسیٹا اور لے کر چل پڑا۔ اب وہ جا رہا ہے مگر نظریں بہلول کو تلاش کر رہی ہیں کہ آج کہیں بیٹھا ہوا پھر مل جائے تو آج میں سودا کر لوں۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ بہلول ایک جگہ پھر بیٹھا ہوا مل گیا۔ وہ مکان ہی بنا رہا تھا۔ ہارون آگے بڑھا، سلام کرنے کے بعد پوچھا: بہلول کیا کر رہے ہو؟ کہتا ہے مکان بنا رہا ہوں۔ کیوں بنا رہے ہو؟ اس لیے کہ جو خریدے گا میں دعا کروں گا کہ اللہ اس شخص کو اس مکان کے بدلے جنت میں گھر عطا فرمائے۔ بہلول! اس کی قیمت کتنی ہے؟ بہلول نے کہا: بادشاہ سلامت! پوری دنیا کی بادشاہی اس کی قیمت ہے۔ ہارون نے کہا: بہلول! کل تو ایک درہم میں مکان بیچ رہے تھے اور آج پوری دنیا کی بادشاہی مانگتے ہو جو میں دے ہی نہیں سکتا۔ میں اپنی ساری بادشاہی بھی دے دوں تو وہ پوری دنیا کی بادشاہی نہیں ہے، میں تو خرید ہی نہیں سکتا، آج اتنی قیمت کیوں؟ بہلول نے کہا: بادشاہ سلامت! کل بن دیکھا سودا تھا، آج دیکھا ہوا سودا ہے۔ کل قیمت تھوڑی تھی آج قیمت زیادہ ہے، آپ اب سودے کو دیکھ چکے ہیں۔

تو وہی بات ہے آج جنت بن دیکھے سستی مل رہی ہے، ایک خشک کھجور کے بدلے مل جاتی ہے اور کل جب ہم اپنی آنکھوں سے موت کے وقت جنت کو دیکھیں گے، پھر ایمان قبول نہیں ہوگا۔ کیوں کہ اب یہ ایمان نہیں رہا، اب یہ مشاہدہ ہو گیا۔

فائدہ (۵۹) ایمان کی قوت سب سے بڑی قوت ہے

ہمارے پاس سب سے قیمتی چیز ایمان ہے۔ ہم ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہیں، لیکن اپنا ایمان کسی قیمت پر دینے کے لیے تیار نہیں۔ آج کفر مسلمانوں کو ڈراتا ہے، ہمارے پاس طاقت ہے، ہمارے پاس ٹیکنالوجی ہے، ہم تمہیں پتھر کے زمانے میں پہنچا دیں گے، ہم تمہیں تباہ کر کے رکھ دیں گے۔ بھئی! جو بھی تم ہو لیکن خدا ہمارا کوئی اور ہے۔ یہ تو پکی بات ہے کہ ہم خدا سے ڈرتے ہیں، آپ سے نہیں ڈرتے۔ آپ کہاں سے ٹپک پڑے؟ ہمارا ایمان پکا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارا جو رشتہ ہے، وہ پکا ہے۔ ہم اس رشتے پر کوئی سودے بازی نہیں کر سکتے۔ ہم ڈر میں آ کر تمہارے پیچھے لگ جائیں، تمہاری باتیں ماننے لگ جائیں، ہم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔ ہم مسلمان ہیں اور ساری زندگی ہم اسلام کے اوپر جمے رہیں گے اور مسلمان کہلوانا اپنے لیے اعزاز سمجھیں گے۔ کسی شاعر نے عجیب کلام کہا ہے :

طاقتیں تمہاری ہیں اور خدا ہمارا ہے
عکس پہ نہ اتراؤ آئینہ ہمارا ہے
آپؐ کی غلامی کا حق تو ہم نبھائیں گے
عزتوں سے مر جانا فیصلہ ہمارا ہے

ہم عزت سے مریں گے مگر دین پر مریں گے۔ دین کی خاطر، اللہ کی خاطر جان دیں گے، ہم موت کے ڈر سے تمہارے مذہب کو قبول نہیں کر سکتے۔

غیرت جہاد اپنی زخم کھا کے جاگے گی
پہلا وار تم کرنا دوسرا ہمارا ہے
(منظر بھوپالی)

تم اگر وار کرو گے تو ہم اس کا جواب دیں گے۔ مومن کو کوئی کمزور نہ سمجھے۔ مومن کے اندر جو ایمان کی طاقت ہوتی ہے، اس کی وجہ سے مومن ساری دنیا سے ٹکرا جاتا ہے۔ تو ہم اس ایمان کی قوت کو سمجھیں کہ یہ کیا چیز ہے جو ہمارے اندر ہے۔ اسی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایمان والوں کو بہت زیادہ نعمتیں عطا فرمائیں گے۔ صرف ایمان کی برکت کی وجہ سے اس کو نعمتیں عطا فرمائیں گے۔

ایمان کی اہمیت

حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرمائیں گے کہ حقوق العباد کا فیصلہ کرو۔ چناں چہ بندوں کے جو ایک دوسرے پر حق ہوں گے ان کا فیصلہ ہوگا۔ اس نے غیبت کی تو ان کو حق دلاؤ، اس نے بہتان لگایا ہے تو اس کو یہ سزا دو۔ اس نے دل آزاری کی اس کو یہ بدلہ دو۔ سارے حقوق العباد کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور فرشتے آکر کہیں گے کہ یا اللہ! ہم نے تو تیرے بندوں کے درمیان حقوق العباد کا فیصلہ کر دیا۔ اب کوئی بھی بندہ ایسا نہیں کہ جس کے اوپر بندوں کا حق ہو، صرف حقوق اللہ موجود ہیں۔ اللہ فرمائیں گے: اچھا! جب بندوں کے حقوق کے فیصلے ہو گئے اور صرف میرا حق باقی رہ گیا تو مجھے اپنا حق لیتے ہوئے حیا آتی ہے۔ جس نے بھی کلمہ پڑھا، اس کو کہو کہ وہ جنت میں چلا جائے۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ (الحجر:۲)

ایک وقت ایسا آئے گا کہ کافر لوگ تمنا کریں گے کہ کاش کہ ہم بھی مسلمان ہوتے، ہم نے بھی کلمہ پڑھا ہوتا۔ ایسا بھی وقت آئے گا کہ کلمہ پڑھنے پر اللہ جنت عطا فرما دیں گے۔ پھر احساس ہوگا کہ یہ کتنی بڑی نعمت تھی کہ ہم نے کلمہ پڑھ کر اپنے آپ کو اللہ کے ہاں رجسٹرڈ کروا لیا تھا۔ ہماری رجسٹریشن ہو چکی تھی کہ یہ میرا مومن بندہ ہے، یہ میرا مسلمان بندہ ہے۔ یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اس پر ہمیں دل میں خوشی ہونی چاہیے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط پڑا تو یوسفؑ نے ایک ترتیب بنا دی کہ بھئی! جو بھی گندم لینے والا آئے تو پوچھو کہ گھر کے بندے کتنے ہیں؟ جتنے بندے ہوں اس کو گندم کی اتنی بوریاں دے دو اور اس سے اس کی قیمت وصول کر لو۔ اب اس طریقے سے

چوبیس گھنٹے گندم نکال کر لوگوں میں تقسیم کی جا رہی تھی۔ ایک لڑکا آیا اور اس نے آ کر گندم مانگی۔ لوگوں نے پوچھا: گھر کے بندے کتنے ہیں؟ کہتا ہے: جی! دس بندے ہیں۔ انہوں نے کہا: دس بوری گندم کے پیسے دے جاؤ اور لے جاؤ۔ اس نے دس بوری گندم کے پیسے دے دیے اور دس بوریاں لے لیں۔ جب مل چکیں تو کہنے لگا: مجھے تو اور زیادہ چاہئیں۔ انہوں نے کہا: بھئی! نہیں، ہم تو آپ کو نہیں دے سکتے، آپ کو اگر کوئی خصوصی امداد چاہیے تو وہ یوسفؑ بیٹھے ہوئے ہیں، ان کے پاس چلے جاؤ، ان کے تصرف میں ہے۔ وہ جس کو جتنا چاہے دے دیں۔ وہ صاحبِ اختیار ہیں۔ وہ لڑکا یوسفؑ کے پاس آیا، حضرت! مجھے گندم چاہیے۔ بھئی! آپ کو ان لوگوں نے گندم نہیں دی؟ حضرت! مل تو گئی ہے، ان لوگوں نے دس بوری گندم دی ہے، لیکن حضرت مجھے زیادہ گندم چاہیے۔ چلو بھئی! دس بوری گندم اور لے جاؤ۔ اس نے کہا: جی نہیں جی! مجھے بیس سے بھی زیادہ چاہیے۔ تو یوسفؑ حیران ہوئے، او خدا کے بندے! لوگوں کو دس بوری دے رہے ہیں اور تجھے بیس بوری دے رہے ہیں اور ابھی بھی تیرا اطمینان نہیں ہوا۔ اس نے کہا: حضرت! اگر آپ کو پتہ چل جائے کہ میں کون ہوں؟ تو آپ مجھے بہت زیادہ گندم دیں گے۔ حضرت یوسفؑ حیران ہوئے۔ اچھا بھئی! بتاؤ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ حضرت! جب زلیخا نے آپ کے اوپر بہتان لگایا تھا تو جس بچے نے آپ کی پاک دامنی کی گواہی دی تھی وہ بچہ میں ہوں۔ اب بڑا ہو کر جوان ہو گیا ہوں۔ یوسفؑ نے جب سنا کہ یہ وہ بچہ ہے جس نے میری پاک دامنی کی گواہی دی تھی تو دل میں محبت اٹھی، اس بچے کے ماتھے پر بوسہ دیا، پیار کیا اور لوگوں کو کہا کہ بھئی! تم اس کو پانچ سو بوری گندم دو اور اس کو گھر بھی پہنچا کر آؤ۔ لو جی! اس بچے کو دس یا بیس بوری ملنی تھیں، اب اس کو پانچ سو بوری مل گئیں اور ساتھ شاہی سواریاں بھی مل گئیں اور گھر پہنچانے والے لوگ بھی مل گئے۔ تو وہ لڑکا بڑی خوشی کے ساتھ گھر روانہ ہو گیا۔ جب وہ چلا گیا تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: میرے پیارے یوسف! آپ نے اس لڑکے کا بڑا اکرام کیا، بڑی عزت افزائی کی؟ عرض کیا: اللہ! یہ وہ لڑکا تھا جس نے میری پاک دامنی کی گواہی دی تھی، جب یہ میرے پاس آیا تو میرا دل اتنا خوش ہوا کہ میرا دل چاہا کہ جو میں اس کو دے سکتا ہوں وہ میں اس کو

دے دوں۔ اللہ نے فرمایا: اچھا پھر یوسف! گواہ رہنا جس نے تمہاری پاک دامنی کی گواہی دی تھی جب تمہارے پاس آیا تم نے اتنا دیا جتنا تم دے سکتے تھے، میں پروردگار کہتا ہوں: جو دنیا میں میری وحدانیت کی گواہی دے گا، جب قیامت کے دن میرے پاس آئے گا، پھر اس کو میں وہ دوں گا جو میں دے سکتا ہوں۔ تو اللہ کی وحدانیت کی گواہی دینا کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔

سب سے بڑی ایمان کی نعمت ہے جو ہمارے پاس ہے اور اس دجالی فتنے کے دور میں ہم اس نعمت کی حفاظت کریں گے۔ اے اللہ! ہمیں ایمان پر سلامت رکھنا اور دنیا سے جاتے ہوئے ایمان کے ساتھ ہمیں موت عطا فرمانا۔

ایمان ضائع ہونے کے اسباب

ایمان ہمارے پاس سب سے قیمتی چیز ہے۔ ہمیں اس کی حفاظت کے لیے فکرمند رہنا چاہیے۔ اس کے ضائع ہونے کے کچھ اسباب ہیں۔

۱- پہلا سبب وہ اعمال جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ یہ میرے ساتھ جنگ کی مانند ہے۔ ان اعمال کے کرنے سے موت کے وقت ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ جیسے:

*---سود کا لینا۔

*---اہل اللہ کے ساتھ دشمنی کرنا۔

۲- دوسرا سبب وہ کام ہیں جن کے کرنے کے بارے میں شریعت نے کہا کہ یہ تو کفر ہے۔ فقہاء نے کہا کہ بندہ کافر نہیں ہو جاتا، بلکہ عمل کافروں والا ہو جاتا ہے۔ جیسے فرمایا:

مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ. [۱]

ایسے اعمال کرنے سے بھی ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔

۳- اور تیسرا سبب وہ تمام اعمال جن کے کرنے پر نبی ﷺ نے فرمایا: "فَلَيْسَ مِنِّي"۔ جیسے:

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي. [۲]

---

[۱] المعجم الاوسط، رقم: ۳۳۴۸ [۲] صحیح بخاری، رقم: ۵۰۶۳

تو یہ ''فَلَیْسَ مِنِّی'' کی ایسی تلوار ہے کہ جو موت کے وقت چلتی ہے اور بندے کو اسلام سے خارج کر دیتی ہے۔ یہ تقریباً پچاس ساٹھ کے قریب اعمال ہیں ان کو علماء سے پوچھ کر چھوڑ دینا چاہیے۔ اور ان سے بچنا چاہیے، تاکہ ہمارا ایمان سلامت رہے۔

ایسے اعمال جن کی وجہ سے ایمان محفوظ رہتا ہے

چند وہ اعمال جن کی وجہ ایمان محفوظ رہتا ہے، ان کو ہمیشہ پکا کرنا چاہیے۔

۱- ایک ہے اللہ سے دعائیں مانگتے رہنا۔

جو ڈرتا رہے گا، اللہ سے مانگتا رہے گا، اللہ اس کے ایمان کو محفوظ رکھیں گے۔

۲- اور دوسرا عمل ہے، اہل اللہ کے ساتھ محبت رکھنا۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوتا۔ جب بدبخت نہیں ہوتا تو اس کا مطلب ہے ایسا بندہ ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوتا ہے، ایمان سے محروم نہیں ہوتا۔ کیوں کہ بدبخت وہ ہوتا ہے جو ایمان کے بغیر دنیا سے چلا جائے۔ ہمارے اکابر میں حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ (مسکین پور شریف والے) ایک بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے: جس قلب پر یہ انگلی لگ گئی اس کو ذکر کے بغیر موت نہیں آسکتی۔ ایک دفعہ میں نے اپنے پیر و مرشد حضرت مرشد عالمؒ سے پوچھا: حضرت! میں چھوٹا بھی ہوں اور کم علم بھی ہوں، اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ سے سوال پوچھ لیا کروں؟ تو حضرت مسکرا پڑے، ہاں پوچھو! کیا پوچھتے ہو؟ تو میں نے پوچھا: حضرت! آپ کے بیان میں خواجہ فضل علی قریشیؒ کا قول سنا ہے کہ جس قلب پر یہ انگلی لگ گئی اس کو ذکر کے بغیر موت نہیں آسکتی۔ یہ تو دعویٰ نظر آتا ہے اور تصوف سلوک کے میدان پر جو دعویٰ کرتا ہے اسی کی پکڑ ہوتی ہے۔

حضرت فرمانے لگے: سنو! اس کی وجہ یہ ہے کہ شیخ قلب کے اوپر انگلی رکھ کر اللہ اللہ کہتا ہے تو نور کی کچھ مقدار اس سالک کے سینے میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اب وہ مقدار تھوڑی سہی مگر ہوتی ہے۔ اگر وہ سالک نیکی کرے گا تو مقدار بڑھ جائے گی اور اگر نیکی نہیں کرے گا تو جتنی مقدار ہے وہ کم از کم اندر محفوظ رہے گی۔ جیسے اندھیرے میں جگنو کی لائٹ بھی نظر آتی ہے، تو یہ ایمان کی مقدار اگرچہ تھوڑی سی ہے، نور تھوڑا سا ہے، لیکن بہرحال سینے میں نور

موجود ہے۔ جب موت کا وقت آتا ہے تو اس انسان پر ایک ایسا لمحہ آتا ہے جب اسے پچھلا جہان (دنیا) بھی یاد ہوتا ہے اور اگلے جہان کو بھی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اس موقع پر فرعون نے کہا تھا:

اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۝ (یونس:۹۰)

”میں ایمان لاتا ہوں اس بات پر کہ جس خدا پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اطاعت کرنے والوں میں سے ہوں۔“

لیکن فرعون چوں کہ پہلے ایمان نہیں لایا تھا تو اللہ نے فرمایا کہ اب تیرا ایمان قابلِ قبول نہیں ہے، اب تو نے آگے دیکھ لیا۔ یہ جو مومن ہے، یہ تو ایمان والا ہے، یہ تو ایمان لا چکا ہے، اب جب یہ آخرت کے منظر کو دیکھتا ہے تو دنیا سے اس کا تعلق کٹ جاتا ہے، آخرت کے ساتھ تعلق غالب آجاتا ہے اور وہ جو تعلق غالب آجاتا ہے اس کی برکت سے اللہ اس کو ایمان پر موت عطا فرما دیتے ہیں۔ وہ جو ایمان کی تھوڑی سی مقدار تھی وہ بھی ایمان پر مرنے کا سبب بن گئی۔

اسلام کیا ہے؟

پھر اس کے بعد ہے اسلام کیا ہے؟ اللہ کو ماننا یہ ایمان ہے اور اللہ کی ماننا یہ اسلام ہے، چناں چہ کچھ ارکان بتائے گئے، کلمہ شہادت کا پڑھنا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا، یہ وہ ارکان ہیں کہ جن کے کرنے سے انسان مسلمان کہلاتا ہے۔

مسلمان بننے کی دعا

ہمیں اپنے مسلمان بننے کی دعائیں اللہ سے کرنی چاہئیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ سے دعا مانگی:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (البقرۃ:۱۲۸)

”اے رب! ہم دونوں کو اپنا مسلم مطیع فرماں بردار بنا، ہماری نسل سے ایک ایسی

قوم اٹھا جو تیری مسلم (فرماں بردار) ہو۔"

اے اللہ! ہمیں مسلمان بنادے۔ تو بھئی! ہم بھی اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے رہتے ہیں۔ اللہ سے مانگیں بھی سہی کہ ہم نام کے تو مسلمان ہیں، اے اللہ! ہمیں کام کا بھی مسلمان بنادے۔ جب ہم کام کے مسلمان بن جائیں گے تو ہمارے اعضاء سارے کے سارے شریعت کے مطابق کام کرنا شروع کردیں گے۔

اپنی مسلمانی کا جائزہ

اچھا دیکھیے! ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ اب ذرا غور کریں، کیا ہماری آنکھیں مسلمان ہیں؟ اگر آنکھیں مسلمان ہوتیں تو غیر محرم کی طرف نہ اٹھتیں۔ اگر زبان مسلمان ہوتی تو جھوٹ، غیبت نہ کرتی۔ اگر جھوٹ بھی بولتی ہے اور غیبت بھی کرتی ہے تو ابھی زبان مسلمان نہیں بنی۔ اگر کان مسلمان ہوتے تو میوزک نہ سنتے۔ اگر گانے سنتے ہیں تو کان مسلمان نہیں بنے۔ نہ آنکھ مسلمان، نہ زبان مسلمان، نہ کان مسلمان، ہم کس کو مسلمان کہتے ہیں کہ جی ہم مسلمان ہیں۔ مسلمانی کس چیز کا نام ہے؟ اس لیے شاعر نے کہا:

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

"زبان سے کہہ دینے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، جب تک اعضا مسلمان نہ ہوجائیں انسان مسلمان نہیں بنتا۔"

مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

ایک وقت تھا کہ ہمارے دلوں میں اللہ کی محبت کی آگ ہوتی تھی اور آج دل میں دنیا کی محبت بھری پڑی ہے اور اللہ کی محبت دب چکی ہے۔

حقیقت خرافات میں کھو گئی ۞ یہ امت روایات میں کھو گئی
لبھاتا ہے دل کو بیانِ خطیب ۞ مگر لذتِ شوق سے بے نصیب
وہ صوفی کہ تھا کہ خدمتِ حق میں مرد ۞ محبت میں یکتا امانت میں فرد

عجم کے خیالات میں کھو گیا ۞ وہ سالک مقامات میں کھو گیا
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے ۞ مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

آج کا مسلمان یہ راکھ کا ڈھیر بنا ہوا ہے۔ اس کے اندر وہ حرارت ہے ہی نہیں جو اللہ کی محبت کی ہوا کرتی تھی۔ تو ہم نام کے مسلمان رہ گئے، مسلمان کی حقیقت ہمارے اندر سے نکل چکی۔ اس لیے ہمیں نئے سرے سے مسلمان بننے کی ضرورت ہے اور احکامِ اسلام پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

جس دور پر نازاں تھی دنیا ہم اب وہ زمانہ بھول گئے
اوروں کی کہانی یاد رہی ہم اپنا فسانہ بھول گئے
منہ دیکھ لیا آئینے میں پر داغ نہ دیکھے سینے میں
جی ایسا لگایا جینے میں مرنے کو مسلماں بھول گئے
تکبیر تو اب بھی ہوتی ہے مسجد کی فضا میں اے انور
جس ضرب سے دل ہل جاتے تھے وہ ضرب لگانا بھول گئے

وعدے کے پکے مسلمان

جس دور میں ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے، ہماری زندگیوں کو دیکھ کر کافر مسلمان ہوجاتے تھے۔

کتابوں میں واقعہ لکھا ہے۔ ایک نوجوان اپنے شہر سے دوسرے شہر آیا ہوا تھا۔ وہاں وہ نوکری کرتا تھا کہ کچھ کما کر گھر لے جاؤں گا، بچوں کا گزارا ہوگا۔ ایک دن وہ شکار کھیلنے کے لیے نکلا، اس نے کسی پرندے پر تیر چلایا تو تیر خطا ہوگیا اور ایک عیسائی لڑکا کہیں کھیل رہا تھا اس کے سر میں جا کر لگا اور لڑکے کی موت واقع ہوگئی۔ اب لڑکے والوں نے اس نوجوان کو پکڑ لیا کہ اس نے ہمارے بچے کو قتل کیا ہے۔ اس کے اوپر مقدمہ چلا، یہ نوجوان کہتا تھا کہ یہ قتلِ خطا ہے، میرے اوپر اس کی دیت بنتی ہے، میں نے ارادتاً قتل نہیں کیا۔ وہ عیسائی کہتے تھے کہ ہمیں کیا پتہ کہ آپ سے غلطی سے ہوا ہے یا آپ نے ہمارے بچے کو جان بوجھ کر مارا ہے، ہم قصاص لیں گے۔ بندے کے بدلے بندہ۔ تم نے ہمارے بچے کو

مارا ہم تمہیں پھانسی پر لٹکوائیں گے۔ اب جب کیس کی سماعت ہوئی تو جج نے بالآخر عیسائیوں کی بات کو قبول کرلیا کہ بھئی! ورثاء نہیں مان رہے تو اب اس کو بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ اب قتل جو کیا جاتا تھا تو وہ ایک خاص دن کیا جاتا تھا، اس میں چوں کہ کوئی آٹھ دس دن ابھی باقی تھے۔ تو قاضی نے کہا: اتنے دن یہ جیل میں رہے گا، پھر فلاں تاریخ کو یہ پیش کیا جائے گا تو اس کی گردن اڑادی جائے گی۔

اب یہ مسلمان نوجوان جیل کے اندر اپنی موت کے انتظار میں ہے۔ اس کو خیال آیا کہ میرے تو کسی رشتے دار کو پتہ ہی نہیں میں کس حال میں ہوں؟ وہ ساری عمر روتے رہیں گے، مجھے ڈھونڈتے رہیں گے۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ میں جا کر اپنے رشتے داروں کو بتادوں کہ میرے اوپر یہ مصیبت بن گئی اور مجھے فلاں دن قتل کردیا جائے گا۔ لیکن میں تو جیل میں ہوں، جاؤں کیسے؟ چناں چہ اس نے سوچا جو جیلر (جیل سپرنٹنڈنٹ) ہے وہ عیسائی ہے۔ (عیسائی مسلمان مل کر رہتے تھے) میں اس سے بات کر کے دیکھتا ہوں، شاید وہ میری بات مان جائے، وہ نوجوان جیل سپریڈنٹ کے پاس گیا، اس نے کہا کہ میں مجرم ہوں، میرے اوپر حد قائم ہونی ہے، مگر اس میں ابھی چار پانچ دن باقی ہیں، اگر آپ مجھے اجازت دیں اور مجھے آزاد کردیں تو میں اپنے گھر چلا جاتا ہوں اور ان کو سارے احوال بتا کر پھر واپس آ جاؤں گا۔ جمعہ کی نماز کے بعد قاضی کی عدالت لگنی ہے میں فجر میں ہی آجاؤں گا۔ میں مسلمان ہوں اور میں آپ کے ساتھ یہ عہد کرتا ہوں کہ میں واپس آجاؤں گا۔ اب اس نوجوان نے جب کہا نا کہ میں مسلمان ہوں تو عیسائی نے اس کے اوپر اعتماد کیا اور اپنی ذمہ داری پر اس کو چھوڑ دیا اور وہ چلا گیا۔

اللہ کی شان کہ وہ جمعرات تک واپس نہیں آیا، جمعہ کا دن آگیا اور اب جیل سپرنٹنڈنٹ پریشان ہے کہ اگر وہ نہ آیا تو میں قاضی کو کیا جواب دوں گا؟ جمعہ کی نماز ہوگئی، اس کے بعد قاضی کی عدالت لگی، جب اس مجرم کا نام پکارا گیا کہ اس کو پیش کرو تو جیل سپریڈنٹ نے قاضی کو بتایا کہ جی! میں نے اپنی ذمہ داری پر اس کو چھوڑ دیا تھا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ میں واپس آجاؤں گا، لیکن ابھی تک واپس نہیں آیا۔ قاضی نے کہا: اچھا! اگر

وہ مجلس ختم ہونے تک واپس نہ آیا تو اس کی جگہ تمہارا سر اتار دیں گے۔ بندے کے بدلے ہم نے بندے کو قتل کرنا ہے۔ تم نے اسے کیوں چھوڑا؟ وہ تو بھاگ گیا، اب اس کی جگہ تمہیں قتل کیا جائے گا۔ اب عیسائی پریشان کہ لڑکا بھی ہمارا مرا اور اب اس کے بدلے میں ہمارے ہی افسر کو قتل کیا جائے گا۔ خیر! باقی مجرموں کی سزائیں مل رہی تھیں اور پورا مجمع پیچھے کی طرف دیکھ رہا تھا کہ شاید وہ آجائے۔

مسلمان وعدے کے پکے ہوتے ہیں کوئی مجبوری بن گئی ہوگی، مگر وہ آئے گا ضرور۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ جب آخری مجرم کو سزا دے دی گئی تو لوگوں نے دیکھا کہ دور سے کوئی بھاگتا ہوا آرہا ہے۔ جیل سپریڈنٹ نے قاضی سے درخواست کی کہ آپ تھوڑی دیر انتظار کریں، یہ بھاگتا ہوا بندہ ہوسکتا ہے وہی مجرم ہو جو واپس آرہا ہے۔ سب نے انتظار کیا۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ وہ جو بھاگ کر آرہا تھا وہی نوجوان تھا۔ اس نے آکر بتایا کہ میں تو پورے وقت پر چلا تھا، راستے میں ایک دریا پار کرنا تھا، طغیانی تھی، مجھے کشتی نہیں ملی تو دریا پار کرنے میں دیر ہوگئی اور میں اپنے وقت پر نہیں پہنچ سکا۔ اس دیر پر میں آپ سے معافی مانگتا ہوں، لیکن میں پہنچ گیا ہوں۔ لہٰذا اب جو سزا دینی ہے مجھے دی جائے۔ جب نوجوان نے کہا کہ سزا دینی ہے تو مجھے دی جائے تو عیسائی بچے کے والد نے کہا کہ قاضی صاحب! اس نے تو ایک بات کہی کہ میں سزا لینے کے لیے آچکا ہوں، میں اب آپ کے سامنے دو باتیں کرتا ہوں۔ پہلی تو یہ کہ یہ میرے بچے کا قاتل ہے، میں اس کو قتل کی سزا معاف کرتا ہوں اور دوسری بات یہ کہ میں کلمہ پڑھ کر مسلمان بھی ہوتا ہوں۔ یہ مسلمان اگر وعدے کے اتنے پابند ہیں تو پھر ہمیں بھی مسلمان بن کر ہی زندگی گزارنی چاہیے، جب ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے تو ہمارے اعمال کو دیکھ کر کافر بھی مسلمان ہوجایا کرتے تھے۔

ایک گداگر کی حمیت اسلامی

دہلی کی جامع مسجد میں کیلی گرافی کا کام بہت خوب صورت ہوا ہے، ایک انگریز نے کہا: جی! میں آج جاؤں گا مسجد میں اور وہ کام دیکھ کر آؤں گا۔ اب دہلی کی جامع مسجد بادشاہی مسجد کی طرح اونچی بنی ہوئی ہے تو بہت ساری سیڑھیاں چڑھنی پڑتی ہیں پھر مسجد

میں داخل ہونا پڑتا ہے۔ یہ انگریز جب مسجد میں داخل ہونے کے لیے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا تو ایک فقیر اس کے پاس مانگنے کے لیے آیا، جی میں غریب ہوں، مجھے کچھ دے دو۔ اس نے اپنا بٹوہ نکالا، کچھ روپے نکالے اور فقیر کو دے دیے۔ پھر اس نے مسجد کو دیکھا، اس کو کیلی گرافی آرٹ بہت پسند آیا، گھر گیا تو اپنی بیوی کو بتایا کہ بھئی! میں نے مسجد میں یہ آرٹ دیکھا ہے تو مجھے بہت پسند آیا ہے، اب جب چھٹی کا دن آئے گا نا تو میں تمہیں بھی لے جاؤں گا اور تمہیں وہ دکھاؤں گا۔ وہ بھی اسی فن کی ماہرہ تھی، اس نے کہا بہت اچھا۔ اب دوسرے دن اس انگریز کو پتہ چلا کہ اس کا بٹوہ گم ہو چکا ہے۔ وہ بہت سوچتا رہا کہ کہاں گم ہوا لیکن کچھ یاد نہیں آتا تھا۔ اس میں اس کے بہت ڈاکومنٹ بھی تھے۔ ایک دو دن کے بعد وہ خاموش ہو گیا کہ چلو گم ہو گیا، اب کیا کر سکتے ہیں، کچھ دنوں کے بعد وہ اسے بھول ہی گیا۔ جب اگلی چھٹی کا دن آیا تو وہ اپنی بیوی کو مسجد دکھانے کے لیے لے گیا۔ جب سیڑھیاں چڑھ رہا تھا تو وہی فقیر جس کو اس نے ایک روپے دیے تھے، بھاگتا ہوا آیا، صاحب! آپ کا یہ بٹوہ پچھلی دفعہ گر گیا تھا، یہ میرے پاس امانت ہے، آپ اپنا بٹوہ لے لیجیے۔ انگریز کی بیوی کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ تو ایک ایک روپیہ مانگ رہا تھا اور بٹوے میں ہزاروں روپے تھے۔ اس نے ہزار روپے والا بٹوہ واپس کیوں کیا؟ بیوی نے اس سے پوچھا کہ ہمیں تو پتہ بھی نہیں تھا کہ بٹوہ تمہارے پاس ہے، پھر تم نے واپس کیوں کیا؟ فقیر نے کہا کہ مجھے ایک بات کا خیال آ گیا تھا۔ انگریز نے پوچھا کہ کس بات کا خیال آ گیا تھا؟ اس نے کہا کہ مجھے یہ خیال آ گیا تھا کہ میں مسلمان ہوں اور آپ عیسائی ہیں۔ اب آپ کا بٹوہ اگر میں چوری کر لوں گا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن آپ کے پیغمبر عیسیٰؑ میرے پیغمبر ﷺ کا گلہ کریں کہ تمہارے امتی نے میرے امتی کا بٹوہ چوری کیا تھا۔ اور میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے میرے آقا ﷺ کو قیامت کے دن گلہ سننا پڑے۔ جب ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے تو مانگنے والے فقیر کا بھی ایمان ایسا ہوتا تھا۔

بڑے میاں کی انوکھی سوچ

ایک بڑے میاں حج کرنے کے بعد کچھ دن حرم میں رہ رہے تھے، ان کے پاس

ایک تھیلا تھا، اور تھیلے میں ان کے پاس پیسے تھے۔ اس زمانے میں کاغذ کے نوٹ نہیں ہوتے تھے، چاندی کے سکے ہوتے تھے اور وہ بھاری ہوتے تھے، دیکھنے والے کو بھی نظر آتا تھا کہ یہ بندہ پیسے لے کر جارہا ہے۔ اب وہ بڑے میاں اپنا تھیلا لے کر نماز پڑھنے آتے اور پھر واپس جاتے۔ انہیں آتے جاتے ایک نوجوان نے دیکھ لیا۔ اس نے سوچا کہ یہ بوڑھا میاں ہے، میں اگر اس کے ہاتھ سے تھیلا چھین کر بھاگ جاؤں گا تو یہ تو مجھے نہیں پکڑ سکے گا اور مجھے پیسے مل جائیں گے۔ ایک دفعہ جب بھیڑ بہت تھی، نوجوان نے ان کے ہاتھ سے تھیلا چھینا اور بھاگ گیا۔ اللہ کی شان کہ جب وہ نوجوان بھاگ کر آگے گیا تو ایک جگہ پر اچانک اس کی کیفیت ایسی ہوئی کہ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا۔ کئی مرتبہ بیٹھا ہوا بندہ کھڑا ہو تو آنکھوں کے آگے اندھیرا آجاتا ہے۔ اس کی بھی ایسی ہی کیفیت ہوگئی، اچانک آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا۔ اب اس نوجوان نے رونا شروع کردیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ روتے کیوں ہو؟ اس نے کہا میں نے ایک بڑے میاں کا تھیلا چھین لیا تھا، لگتا ہے کہ اس نے بددعا کی اور میری بینائی چلی گئی۔ مجھے اس کے پاس لے جاؤ تاکہ میں اس سے معافی مانگ لوں۔ لوگوں نے اس سے ان کا حلیہ وغیرہ پوچھ کر اس کو بڑے میاں کے پاس لے آئے۔ بڑے میاں! آپ نے بددعا کی، نوجوان کی بینائی چلی گئی، یہ آپ سے معافی مانگنے آیا ہے، آپ اس کو معاف کردیں۔

بڑے میاں نے کہا: بھئی! میں نے تو اسی وقت اسے معاف کردیا تھا۔ اب لوگ حیران ہیں کہ نوجوان نے اس کے پیسے چھینے اور بھاگ گیا، اور بڑے میاں کہتے ہیں کہ میں نے تو اسی وقت معاف کردیا تھا۔ تو کسی نے پوچھا کہ بڑے میاں! یہ تو چور تھا، ڈاکہ مار کر پیسے چھین کر بھاگ گیا، آپ نے اس کو کیسے معاف کردیا؟ تو بڑے میاں نے کہا: میرے ذہن میں ایک خیال آ گیا تھا۔ بڑے میاں! آپ کے ذہن میں کیا خیال آ گیا تھا؟ بڑے میاں نے کہا کہ میں نے علماء سے سنا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت کے لوگوں کے آپس کے جھگڑوں کا حساب ہوگا۔ جب تک سب کا حساب کتاب مکمل نہیں ہوگا میں اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا۔ مجھے یہ خیال آیا تو میں

نے سوچا کہ یہ میرا تھیلا چھین کر بھاگا، اگر قیامت کے دن یہ مقدمہ پیش ہوا تو جتنی دیر اس مقدمے کے فیصلے میں لگے گی میری وجہ سے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں جانے میں اتنی دیر لگے گی۔ میں نے اسے معاف کردیا کہ نہ مقدمہ پیش ہوگا، نہ میری وجہ سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں جانے میں دیر لگے گی۔

جب ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے اس وقت ہماری سوچیں یہ ہوا کرتی تھیں۔ آپ بتایئے! اگر یہ سوچ ہو بندے کی تو وہ کسی کے ساتھ جھگڑا برقرار رکھے گا؟ فوراً معاف کر دے گا کہ قیامت کے دن جھگڑا پیش ہی نہ ہو اور حساب کتاب کے اندر دیر ہی نہ لگے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں مسلمان بن کر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا

''اور اگر اللہ کے حکم اور اس کے رسول کے حکم پر چلو گے، تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا۔''

فائدہ (۶۰) مسلمان بننے کے لیے اعمال کو کرنا پڑتا ہے

اب مسلمان بننے کے لیے اعمال کو کرنا پڑے گا۔ شہادتین تو ہم دے چکے، الحمد للہ! اب نماز پڑھنی ہے، روزہ رکھنا ہے، زکوٰۃ دینی ہے اور حج کرنا ہے، جو احکامِ شریعت ہیں ان کے اوپر عمل کرنا ہے۔ شریعت نے کہا:

جھوٹ نہ بولو۔ ہمیں جھوٹ سے رکنا ہوگا۔

غیبت نہ کرو۔ ہمیں غیبت سے رکنا ہوگا۔

نگاہ کا پرہیز کرو۔ ہمیں پرہیز کرنا ہوگا۔

حلال کھاؤ۔ ہمیں حرام سے بچنا ہوگا۔

ان اعمال پر عمل کریں گے تو ہم مسلمان بن کر زندگی گزارنے والے بن جائیں گے اور اگر ہم ایمان والے بن رہے ہیں اور اسلام والے بن رہے ہیں تو یہ ہم اللہ پر کوئی احسان نہیں چڑھا رہے ہیں، اس میں ہمارا اپنا فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا

"اور اگر اللہ کے حکم اور اس کے رسول کے حکم پر چلو گے، تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا۔"

اعمال میں سے کچھ کتر نہیں دے گا، کاٹ نہیں دے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ (الحجرات:۱۴)

"اللہ تعالیٰ غفور ہے اور رحیم ہے۔"

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾
"مومن تو حقیقت میں وہی لوگ ہیں جو (صدق دل سے) ایمان لائے اللہ اور اس کے رسول پر پھر انہوں نے کوئی شک نہیں کیا اور انہیں نے جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں، یہی لوگ ہیں سچے۔"

سچا مومن کون ہوتا ہے؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی تفصیل بتائی کہ مومن کون ہوتا ہے؟ یہ آیت بہت اہم ہے، توجہ کے ساتھ اس کا ترجمہ سننا چاہیے۔ اللہ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا

"بے شک مومن وہ ہوتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر اس کے اندر ان کو کوئی شبہ نہیں ہوتا۔"

سچا مومن ایمان پر متذبذب نہیں ہوتا

یعنی ایمان لائے تو پکا ایمان ہو۔ یہ نہیں کہ دل متذبذب ہو کہ قیامت کا دن پتہ نہیں آئے گا یا نہیں آئے گا؟ دل میں شک نہ ہو کہ آئے گا یا نہیں آئے گا، لازماً آئے گا۔ جب ہم نے مان لیا ہے تو اب اس میں شک نہیں ہونا چاہیے۔ ہماری زبان میں دیہاتی لوگ کہتے ہیں: "اے جہان مٹھا اگلا کس ونج ڈٹھا" یعنی یہ جہان تو میٹھا ہے اور اگلا کس نے جا کر دیکھا ہے۔ بھئی! نبی ﷺ نے معراج پر جا کر دیکھا ہے اور بتا دیا ہے اور ہم نے اس کو

مان لیا۔ یہ اب ایسے ہے جیسے ہم نے خود اس کو دیکھا ہے۔ اب کوئی شک والی بات نہیں ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور اس کے اندر کوئی شک نہیں ہوتا۔

وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

''اور وہ اللہ کے راستے میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرتے ہیں۔''

ایک تو جہاد کا مطلب ہوتا ہے کافر کے ساتھ قتال کرنا، وہ ایک الگ معنی ہے۔ ایک جہاد ہوتا ہے اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کرنا اور نفس کو شریعت کے اوپر مجبور کرنا۔ یہ بھی مجاہدہ ہے۔ بلکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

قَدِمْتُمْ مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ. [1]

''تم چھوٹے جہاد سے اب بڑے جہاد کی طرف آئے ہو۔''

یعنی صحابہ کرامؓ جب کافروں سے جہاد کر کے واپس لوٹ رہے تھے اس وقت نبی ﷺ نے یہ فرمایا: تم چھوٹے جہاد سے اب بڑے جہاد کی طرف آ رہے ہو۔ اب تک ہم کافروں سے لڑ رہے تھے، وہ چھوٹا جہاد تھا، اب تم گھروں میں جاؤ گے اور شریعت کی پابندی کی زندگی گزارو گے، نفس کے ساتھ مجاہدہ کرو گے، یہ بڑا جہاد ہوگا، تو نفس کے ساتھ جہاد کرنا یہ بڑا مجاہدہ ہے اور اس پر بندے کو اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہوتی ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

''یہ ہیں سچے لوگ۔''

یہاں چار باتیں کہی گئیں:

۱- اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا

۲- پھر اس میں شک نہ کرنا

۳- اور پھر شریعت پر عمل کرنے کے معاملے اپنے نفس کے خلاف مجاہدہ کرنا

۴- جو یہ مجاہدہ کرے گا وہ پکا مومن ہے اور یہ اپنے قول کے اندر سچا ہے

مسجد سے باہر نکلیں گے، نفس کہے گا: غیر محرم لڑکی جا رہی ہے، اس کی طرف دیکھو،

---

[1] کنز العمال، ۱۱۷۷۹

اب ایک مجاہدہ شروع ہوگیا جو دیکھنے سے بچ گیا، وہ کامیاب ہے، وہ سچا بندہ ہے اور جس نے اپنے نفس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور غیر محرم کی طرف آنکھیں اٹھا کر دیکھ لی وہ اپنی بات پر جھوٹا نکلا، وہ جھوٹا ہے۔

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑯
''تو کہہ کیا تم جتلاتے ہو اللہ کو اپنی دین داری؟ اللہ کو تو خبر ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔''

پھر اللہ فرماتے ہیں:

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۭ

''آپ کہہ دیجیے کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کو اپنی دینداری دکھاتے ہیں۔''

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ

اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین ہے۔''

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑯ ''اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔''

تم اپنا ایمان اللہ کو نہ جتلاؤ، اللہ کو پتہ ہے تمہارے دلوں میں کیا ہے؟

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑰
''یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہوگئے ہیں، کہہ دو کہ اپنے مسلمان ہونے کا مجھ پر احسان نہ رکھو، بلکہ خدا تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کا راستہ دکھایا، بشرطیکہ تم سچے (مسلمان) ہو۔''

ہمارا اسلام لانا محض اللہ کا احسان ہے

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ ''یہ تم پر احسان جتلاتے ہیں کہ ہم اسلام لے آئے۔''

حالاں کہ یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ان کو اسلام لانے کی توفیق دی۔

منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمی کنی ❁ منت او شناس کہ در خدمت گذاشتن

"اے دوست! بادشاہ پر احسان نہ جتلا کہ تو بادشاہ کی خدمت کرتا ہے، (بادشاہ کی خدمت کرنے والے لاکھوں ہیں) یہ بادشاہ کا تجھ پر احسان کہ اس نے تجھے خدمت کے لیے قبول کرلیا ہے۔"

تو ہمارا اللہ پر احسان نہیں ہے کہ ہم مومن بن گئے، اللہ کا ہم پر احسان کہ اس نے ہمیں ایمان کی توفیق عطا فرمادی۔ ہم اللہ کا احسان مانتے ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

چناں چہ آگے فرمایا:

قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ

"تو کہہ مجھ پر احسان نہ جتلاؤ اپنے اسلام لانے کا۔"

بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾

"اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو راہ دی ایمان کی اگر تم سچے مسلمان ہو۔"

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾
"بے شک اللہ جانتا ہے چھپے ہوئے بھید آسمانوں کے ہوں یا زمینوں کے ہوں اور اللہ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔"

اللہ ہمارا نگہبان ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زمین آسمان میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اس سے چھپ نہیں سکتا۔ اور تم جو کچھ عمل کرتے ہو وہ بھی اس سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ اس سورت میں ہم نے تمھیں چند باتیں کرنے کا حکم دیا ہے، ان پر اب تم عمل کرتے ہو یا نہیں کرتے اس کو ہم دیکھیں گے۔ ہم دیکھیں گے کہ سورت کی تفسیر پڑھی، ترجمہ پڑھا، اب ان اعمال کو زندگی میں اپنایا بھی ہے یا نہیں اپنایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یقین کامل عطا فرمائے اور اس سورت کی تعلیمات کے مطابق پوری زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

و آخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

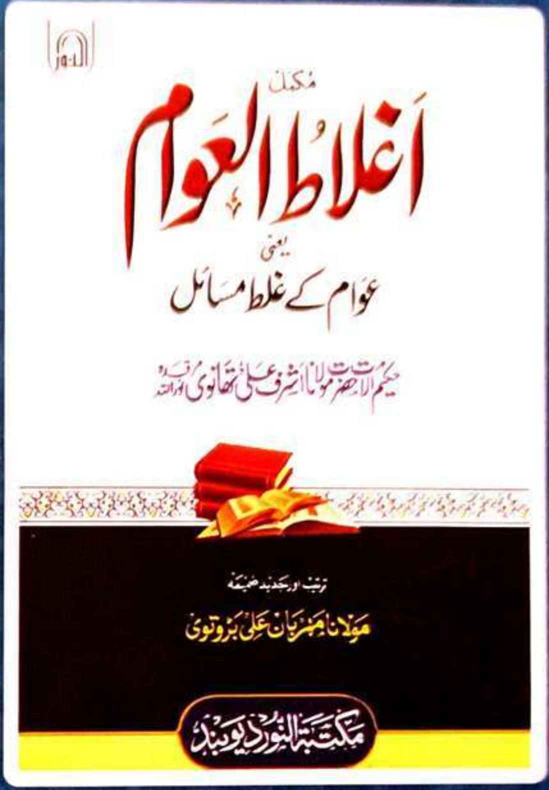

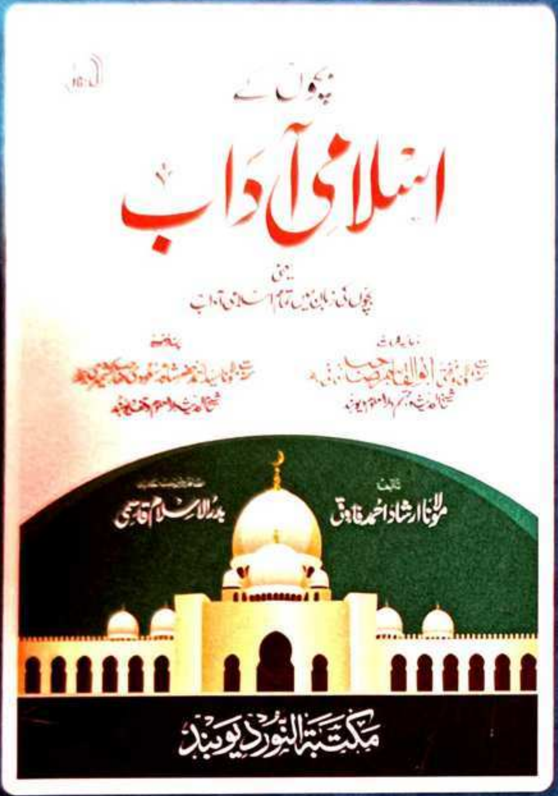

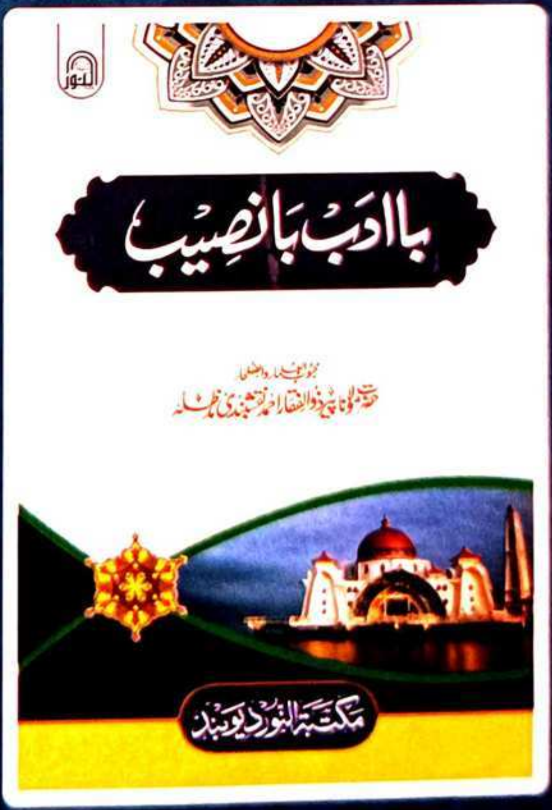

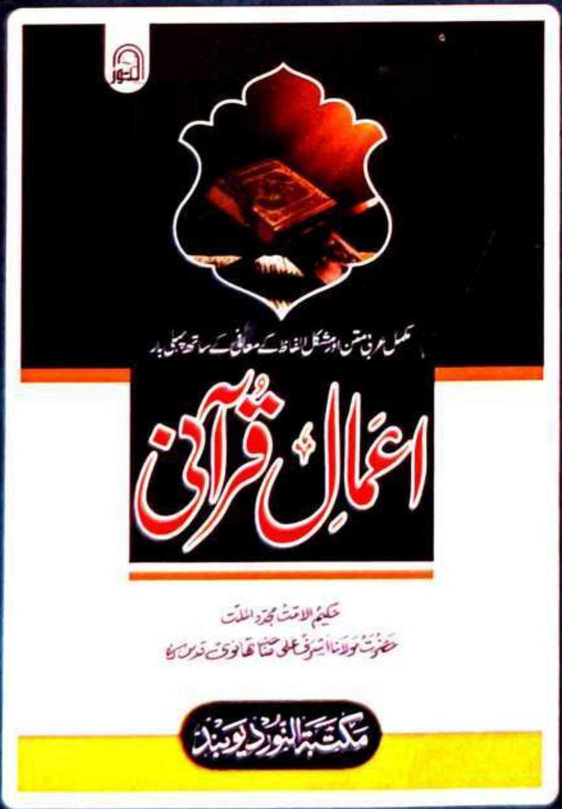

درسی وغیر درسی کتابوں کے لیے ہم سے رابطہ کریں:

MAKTABA AL-NOOR
Deoband - 247554 (U.P.)
m.noordbd@gmail.com
9456422412, 9045909066 Maktaba_Noor

200/-